# آئینہ حقائق قرآن

## عیسائیوں کے چودہ سوالوں کے جواب


اسلامی مشن
سنت نگر۔ لاہور

# پیش لفظ

اس کتابچہ میں پادری سلطان احمد صاحب کے ان چھ ۱۴ سوالات کا جواب دیا جارہا ہے جو انہوں نے قرآن پاک سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت مسیح کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔

پادری صاحب نے اپنے سچا ہونے کی تمام تر بنیاد قرآن شریف پر رکھی ہے یہ بہت مستحسن اقدام ہے لیکن انہوں نے روایتی اندھوں کی طرح ۲۱ ہی حصے کو تمام سمجھ لیا ہے۔ جو ان کو راس آتا ہے اور جو حصہ ان کے بنیادی عقاید اور روایات پر زجر و توبیخ کرتا ہے اس کو یکسر فراموش کردیا ہے حالانکہ کسی بات کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی تمام تعلیمات کو ملحوظ رکھا جائے۔ مسلمان تو شروع ہی سے اس بات کے علمبردار رہے ہیں کہ تمام انبیا پر ایک ہی وحی نازل ہوتی رہی اور وہ یہی تھی کہ اللہ تعالے ایک ہیں وہ خالق ہیں اور ان جیسا نہ ذات میں نہ صفات میں کوئی ممکن ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ([illegible])

(یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی کہلائے یا صابی کہلائے یا نصاریٰ کہلائے اور اللہ تعالے پر ایمان لائے اور آخری یوم حساب پر ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے انہیں کوئی

خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔

اگر آپ اس کو بھی مان لیں تو وہ کوشش بالآخر کامیاب ہوگی جو حضرت رسول اکرم نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمائی تھی۔ حضورؐ کی زندگی میں کبھی مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں پر یا دیگر اہل کتاب پر سختی کی ابتدا نہیں ہوئی۔ البتہ جب مخالفین حق کی شرارتیں اور فتنہ پرور حرکات حد سے تجاوز کر گئیں تو ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا گیا۔ آخر آپ کو یہ چیز کیوں ناگوار ہے کہ آپ ایک خدا پر ایمان لائیں جو کسی چیز سے پیدا نہ ہوا ہو اور جس کی مثال اور کوئی ہستی نہ ہو۔ اگر آپ اس بنیادی عقیدے پر ایمان لے آئیں تو جو مشکلات عیسائی فلسفیوں، راہبوں اور مصلحوں کو پیش آئیں، ان کا حل ہو سکتا تھا اور ہو سکتا ہے۔ آپ نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے پاپڑ بیلے۔ کبھی کنواری مریم کو اپنے خیالی خدا کے نکاح میں دیا کبھی روح القدس کو شریک حکومت کیا لیکن پھر بھی کسی عقلمند کے لئے یہ تمام تگ و دو تسکین کا باعث نہ بنی۔ اہل مغرب میں بھی اہل کلیسا میں جو منافقت پیدا ہوئی اس کا باعث یہ غلط عقیدہ تھا۔

اس کے علاوہ یوم آخر یعنی ایسے وقت پر ایمان لانا ہے جس میں ہر انسان اور ہر جماعت کے اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے اور سزا یا ثواب مرتب کیا جاتا ہے آپ نے دیکھا ہے کہ اہل مغرب کی چیرہ دستیاں اگر اس اصول کے مطابق جانچی جائیں تو ان میں کوئی بھی حرکت ایک شریف خدا پرست انسان سے منسوب نہیں کی جا سکتی آپ نے نہ مذہب کو دنیاوی مقاصد اور استحصال کے لئے بے دریغ استعمال کیا نہ حکومت کے نام پر اپنے من گھڑت اصولوں کی پرستش کروائی اور اس کج روی سے دنیا میں بے انداز ظلمت پھیلائی اور

معائب پیدا کئے۔ افراد کی زندگی میں بھی اسی غلط رویہ کی وجہ سے بے شمار اخلاقی
جرائم کا اجرا ہوا۔ اگر ایک فرد یہ تصور کرلے کہ محض آپ جیسے پادریوں کو رشوت
کا روپیہ دینے سے یا آپ کے کلیسا کو غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی دولت
کا نذرانہ پیش کرنے سے نجات ہو جائے گی تو اسے صحیح کردار کے اس مقام
کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ جہاں جہاں کلیسا کی پیدا کردہ
مغربی ظلمت گئی ہے وہاں افراد کے کردار کو سوائے گمراہی اور تباہی کے کچھ
حاصل نہیں ہوا۔ آپ اس برصغیر کی حالت کو دیکھئے، اس کور نظر مغربی
عیسائی کے آنے سے پہلے یہاں اتنا اطمینان تھا انسان کو انسان تصور کیا جاتا
تھا۔ اور اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا جاتا تھا کہ زندگی صحیح معنوں میں
رہنے کے قابل تھی جب سے مغربی معصیت یہاں نازل ہوئی۔ افراد
میں انفرادیت زیادہ اور اجتماعیت کم ہوتی گئی۔ بیٹا باپ کو اپنی عیش پرستی کا
وسیلہ سمجھنے لگا۔ باپ نے عیش کرکے گویا بچے کے لئے معصیت کا
دروازہ کھول دیا اور بچہ اب جس طرح چاہے اس باپ سے انتقام لے۔
ماں باپ کی قدر و منزلت لوگوں کے دل سے اٹھ گئی۔ حتیٰ کہ خاندانی عقیدت
مندی اور رواداری بھی ختم ہو گئی۔ جو عیاشی کا سامان آپ کے عیسائی حکمرانوں
نے رائج کیا وہ کبھی آپ کو اگر ٹھنڈے دل سے اپنے اہلِ مذہب کی کرتوتوں
پر غور کرنے کا موقع ملے تو خود ہی تفصیلاً دیکھئے۔ کلیسا نے ہر اخلاقی جرم کی
طرف داری کی اور اس کے جواز میں حیلے بہانے تراشے اور اگر ضرورت پڑی
تو عیسائیت کو بھی بدل ڈالا۔ جیسا کہ مغرب کے عیسائی ممالک میں
خنزیر خوری اور مردوں میں باہمی جنسی تعلقات کے سلسلے میں اجازت سے ظاہر ہے
امن پیدا کرنے کے لئے جو عمل قرآن شریف میں مذکور ہے آپ کے ہم مذہب

عیسائیوں نے بالکل اس کے خلاف کیا اور اس کے نتائج بنی نوع انسان
بھگت رہے ہیں۔ مسلمانوں نے کبھی سائنس کو نوعِ انسانی کی بربادی کے لئے
استعمال نہیں کیا لیکن عیسائی سائنس دان ہمہ تن مصروف ہیں کہ سائنس کو اس
قدر ترقی دیں کہ صفحۂ ہستی سے خدا کی پیدا کردہ مخلوق کو برباد کر کے ہی چھوڑیں
اگر بعض موقعوں پر سائنس نے کچھ بھلائی بھی کی تو وہ صرف عیسائیت کی
طرف فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کی ضروریات کو مہیا کرنے اور علاج معالجے کے
لئے تھا۔ یوں تو آپ نے ریڈ کراس کا ڈھونگ رچا رکھا ہے لیکن اگر آپ کو
چشمِ بصیرت نصیب ہو تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ڈھونگ صرف عیسائیوں
کی مقاصد کے حصول کے لئے ہے غیر مذاہب کے ساتھ اس کا رویہ یکسر
مختلف ہے۔ اگر عرب ممالک کے میں یہودی عیسائیوں کے بل بوتے پر
مسلمانوں کو اپنے گھروں سے باہر نکال پھینکے تو ریڈ کراس کی مساعی صرف
ان کو قوتِ لایموت دینے کے لئے صرف ہوگی تاکہ اس طرح سے انکے
جوشِ انتقام کو سرد کیا جائے اور عوام الناس پر یہ ظاہر کیا جائے کہ کچھ کام
ہو رہا ہے۔ اگر اسلامی ممالک میں عیسائیوں کی استعمار کی وجہ سے غربت
اور بھوک عام ہو تو ریڈ کراس کبھی حرکت میں نہیں آئے گی۔ لیکن اس کے
مخالف عیسائی ممالک میں اس کی سرگرمیاں ہمیشہ بڑھتی رہیں گی۔ آپ
کے ہم مذہب انسانوں کو پارٹیوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ بنی نوع انسان
کو بطور ایک کنبہ کے تصور نہیں کرتے۔ اس کے برعکس اسلامی دور کی مثالیں
شائد آپ کو یاد ہوں لیکن یہ تو ایک مسلّم حقیقت ہے کہ جن ممالک میں مسلمان
حکومتیں رہیں وہاں مخالفت کو بنوکِ شمشیر یا اہل بیت سیاست کو مذہب
تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ مسلمان سپین پر ۸۰۰ سال تک حکمران رہے۔

لیکن کسی ایک فرد کو بھی جبراً مسلمان نہیں کیا گیا اور وہی پروردہ عیسائی جن پر مسلمان حکمرانوں کے بے شمار احسانات تھے انہوں نے غداری اور سفاکی سے کس طرح مسلمانوں کے قدم وہاں سے اکھاڑے اور جب تک اپنی بیچارہ بےچاروں سے بس ماندہ اور مظلوم رعایا کو عیسائی نہیں بنا لیا، چین سے نہیں بیٹھے۔ سسلی میں مسلمانوں کی حکومت کئی سو سال رہی لیکن آبادی اب بھی غیر مسلموں کی زیادہ ہے یہی حال قبرص کا ہے جسے مسلمانوں نے پہلی صدی ہی میں اپنی سلطنت میں داخل کر لیا تھا لیکن اب تک یعنی برطانوی اور یونانی استعمار کے دوران یہی بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہاں عیسائی زیادہ اور مسلمان کم۔ مسلمانوں نے یورپ فتح کرتے کرتے وی آنا تک اپنی حدود کو بڑھایا لیکن ان تمام ممالک میں باوجود مسلسل اسلامی حکومت کے اب بھی عیسائی آبادی زیادہ ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو عمل صالح کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ صلح و امن کے لئے اپنے افکار کی اشاعت ہر طرف کی لیکن اگر دوسرے بہ رضا و رغبت یا عیسائیوں کی طرف سے لالچ پیدا کرنے کی وجہ سے مسلمان نہ ہوتے تو انہیں جبراً اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔

اگر آپ نے قرآن کی اس ایک آیت پر سمجھ کر عمل کیا ہوتا تو وہ تمام نقصانات جو عیسائی پادریوں نے عیسائی عوام کو غلط ذریعوں سے ابھار کر جنگ و جدل کی صورت میں پیدا کئے وہ پیش نہ آتے۔

اسی سورۃ مائدہ میں ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

اس کا عام فہم مطلب یہ ہوگا کہ یقیناً ان لوگوں نے خدا کا انکار کیا، کہ جنہوں نے یہ کہا کہ خدا وہ ہے جو عیسیٰ بیٹا مریم کا ہے۔ حالانکہ مسیح نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ وہ اس خدا کی پرستش کریں جو مسیح کا پالنے والا اور بنی اسرائیل کا بھی پروردگار ہے اور یہ بھی ساتھ کہا تھا کہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی کو ذات، صفات یا حکم میں شریک ٹھہرایا اس پر خدا کی نعمتیں حرام کر دی گئیں اور اس کا ٹھکانہ وہ ہے جہاں دردناک عذاب اس کے لئے تیار ہوگا اور ایسے ظالموں کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکے گا۔

اگر عیسائی دنیا شرک سے محفوظ رہتی اور عیسیٰؑ کے صحیح حکم پر عمل کرتی تو پھر بنائے فساد ہی کوئی نہ تھی انہوں نے تو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ایسے بدعت کے دروازے کھولے کہ ہر راہب نے اپنے آپ کو جنت کا کلید بردار بنا دیا اور جس طرح چاہا عوام کو لوٹا اور اپنے مخالفوں کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بناتے۔

اسی سورت میں ایک آیت ہے:۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝

یہاں واضح الفاظ میں یہ اعلان فرما دیا گیا کہ "سوائے ایک پیغمبر کے مسیح بیٹا مریم کا اور کچھ نہ تھا اور اس سے پہلے کئی پیغمبر گذرے اور اسکی والدہ سچی خدا کی پرستار تھیں اور دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ اب دیکھو کس طرح کھول کھول کر ان غلط کاروں کے لئے خدا کے احکامات پیش

کئے جاتے تھے۔ لیکن وہ ہیں کہ بھٹکتے ہی جاتے ہیں"۔ پادری صاحب ابھی وقت ہے کہ آپ اس جرم عظیم سے توبہ کریں جو آپ کو عیسیٰ کو خدا ماننے پر اکسار رہا ہے۔ جو چیز مادی ہے وہ کبھی کسی رنگ میں بھی خالق نہیں ہو سکتی اور جنسی تعلقات تو محض حیوانوں کے لئے ہی ہیں۔ خدا کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس چھوٹی سی حقیقت کو بھی آپ نے اور آپ کے اکابر نے نہیں سمجھا۔ آیات قرآن کی روشنی میں اپنے غلط عقائدات کا جائزہ لیجئے اور اسلامی صداقت کی طرف رجوع کیجئے۔

اسی سورت میں آیا ہے:۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

(یعنی اعلان فرما دیجئے رسول کریمؐ ان کفار عیسائیوں کے سامنے کہ کیا تم عبادت کرتے ہو ایک اللہ کے سوا دوسروں کی جو تمہارے نفع نقصان پر قدرت نہیں رکھتے اور وہی خدا سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

عیسیٰؑ کو جو ایذائیں اٹھانا پڑیں وہ خدا کے شایانِ شان نہیں اور بقول انجیل کے شارحین کے جو آدمی سولی پر چڑھایا جاتا ہے وہ مردود کی موت مرتا ہے۔ جو تصور عیسیٰ کا آپ نے انجیل اور شارحین انجیل کے ذریعہ پیش کیا اُسے دیکھ کر کوئی سلیم الطبع شخص اس بچارے مظلوم کو خدا تسلیم نہیں کر سکتا۔ جو خود کو نہ بچا سکے وہ کسی اور کو کیا بچائے گا۔ یہ ڈھکوسلا آپ نے گھڑ رکھا ہے کہ عیسیٰ کے صلیب پر چڑھ جانے سے عیسائیوں کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ یہ بالکل مضحکہ خیز اور حقیقت سے دُور ہے۔ اِسی کی طرف قرآن شریف میں اشارے کئے گئے لیکن آپ تو قرآن شریف کا صرف وہ حصہ پڑھتے کی

کوشش کرتے ہیں جو آپ کے عیسیٰؑ اور اُنکی والدہ مریم کی صفائی کے لیے قرآن نے پیش کیا۔ کاش کہ آپ باقی حصہ پر ایمان لاتے اور عمل کرتے تو دنیا امن و چین کا سانس لیتی۔

اسی سورت کے سولھویں رکوع میں ہے:-

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

ان آیات میں قیامت کا نقشہ پیش کیا ہے جب عیسیٰؑ اور تمام بنی نوع انسان کا پیدا کرنے والا حساب کتاب کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمائے گا "اے عیسیٰ بیٹے مریم کے، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو (عیسیٰ) اور میری والدہ (مریم) کو خدا کے سوا کارساز اور حاجت روا مانو۔ اس پر حضرت عیسیٰؑ جو بطور ملزم کے اس وقت پیش ہوں گے پکار اٹھیں گے "اے ذات پاک یہ مجھ سے کس طرح ہو سکتا تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا اور اگر میں نے کوئی ایسی حقیقت سے دور بات کہی ہوتی تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا کیونکہ جو کچھ میرے دل میں تھا تو اسے جانتا تھا اور جو کچھ تیری ذات سے متعلق ہے اس کا مجھے

علم نہیں اور یقیناً تو غیب کی باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے"۔ اس پر وہ مزید یوں فرمائیں گے "میں نے ان بدبختوں سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جو کچھ جناب کے حضور سے مجھے حکم ملا اور وہ یہی تھا کہ اس خدائے واحد کی پرستش کرو جو میرا اور تمام انسانوں کا پالنے والا ہے اور اس بات پر تو گواہ ہے کہ جب تک میں ان بدبختوں کے درمیان رہا میں نے یہی پیغام پہنچایا اور جب تو نے مجھے دنیا سے اُٹھا لیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان رہا اور تو ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ اب اگر تو انہیں عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کے گناہوں کو معاف کر دینا چاہے تو تو زبردست حکمتوں والا ہے۔

اس پر وہ زبردست اصول دہرایا جائے گا جس کے الفاظ یہ ہیں:-

قَالَ اللّٰہُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ

اللہ تعالےٰ کا یہ اعلان ہے کہ اس دن (حساب کتاب کے دن) نفع میں وہی رہیں گے جو خلوص دل سے اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے اور خلوص دل سے پیروی کرتے رہے۔ ابھی وقت ہے پادری صاحب کہ آپ اپنے عقیدے کو اسی قرآن کے ذریعہ درست فرمالیں جس کے چند حصے آپ اپنے عیسائی دوستوں کو خوش کرنے کیلئے اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔

اے۔ اے مجیؔ (ایم۔اے)

# آئینہ حقائق قرآن

مشہور مسیحی ادارہ "دی ریلیجس بک سوسائٹی" انارکلی۔ لاہور نے ایک رسالہ "حقائق قرآن" چھٹی بار شائع کر رکھا ہے جس میں انہوں نے چودہ سوالات قائم کرکے یہ ثابت کرنے کی جرأت کی ہے، کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے متعلق جو باتیں درج ہیں، ان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت مسیحؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ابتداء ہی میں لکھا ہے :-

"اگر غیر معتبر روایات و حکایات کو چھوڑ کر فقط قرآنی بیانات کو دیکھیں تو مسیح ابن مریم حضرت محمدؐ سے افضل تھے"۔

مقام مسرت ہے کہ ہمارے مسیحی پادریوں کو قرآن میں "حقائق" نظر آنے لگے ہیں اور انہوں نے کم از کم اس قدر تو تسلیم کر لیا ہے، کہ قرآن حکیم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیحؑ کے متعلق درست باتیں درج ہیں۔ ورنہ ان کا تمام زور اس بات پر صرف ہوتا کہ (نعوذ باللہ) اسلام ایک باطل مذہب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ نبوت و رسالت میں سچے نہیں تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر وہ خلوص نیت سے، تعصب اور ضد کو ترک کرکے، کلام اللہ کا مطالعہ کریں گے، تو انہیں قرآن کا ایک ایک نقطہ صداقت کا شاہکار نظر آئے گا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے ان مسیحی پادریوں کی شب و روز یہ کوشش ہے کہ مسلمان اس کتاب کو جھوٹا سمجھ کر چھوڑ دیں۔ جس کی وجہ سے وہ پادریوں کے قول کے مطابق

نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت مسیح سے کم تر مانتے ہیں حالانکہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات پڑھنے کے بعد کوئی شخص انہیں نبی تو درکنار شریف آدمی بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

پادری ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن پاک کی صداقت پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ انہیں سچا نہیں سمجھتے، اس صورت میں دیانت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ حضرت مسیح کی صداقت کو اپنی مذہبی کتب سے ثابت کرتے ایک ایسی کتاب کا سہارا لینا اور اس کے مفہوم کو بگاڑ کر پیش کرنا جسے وہ جھوٹا سمجھتے ہیں اور جسے چھوڑ دینے کے لئے وہ دن رات مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انتہائی فریب کارانہ اور نامعقول فعل ہے لیکن پادری ذہن اور معقولیت ہمیشہ اول ہی سے دو متضاد امور ہیں۔ انہیں قرآن کو اپنی تائید میں پیش کرنے کا تبھی حق پہنچتا ہے جب کہ وہ انجیل کی تائید کرے اور جو کتاب خود ان کے عقائد کے خلاف ہے اس کی مخالفانہ تعلیمات حضرت مسیح کی صداقت میں کیسے پیش کی جا سکتی ہیں۔

مسیحی پادریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں حضرت نبی کریم صلعم کی تصنیف ہے۔ اگر ان کی یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک نئے دین کا بانی ہونے کے باوجود ایک کتاب لکھتے ہیں اور اس کتاب میں کسی غیر شخص کو اپنی ذات پر فضیلت اور ترجیح دیتے ہیں اور اپنے کروڑوں نام لیواؤں سے اس کی بزرگی منواتے ہیں اور آپ کی عظمت تو اور بھی انتہا کو پہنچی نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے گمنام انبیاء کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اور اپنے ساتھ ساتھ ان پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیا۔

دنیا کے تمام مذاہب نے حضرت مسیح کو جھٹلایا۔ آپ کی والدہ محترمہ پر زنا
کا الزام لگایا اور کوئی عظیم مذہبی رہنما ان دونوں مقدس ہستیوں کی برات کے لئے
آگے نہ بڑھا حتیٰ کہ چھ سو سال کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق و باطل میں
امتیاز، نسلِ انسانی کے اتحاد اور مظلوموں کی دستگیری کے لئے کھڑے
ہوتے اور آپ نے اعلان کیا کہ حضرت مسیح خدا کے سچے رسول اور ان کی والدہ
حضرت مریم پاک دامن خاتون تھیں، اور آج جب کہ یہودی، ہندو، پارسی،
بدھ وغیرہ ان دونوں برگزیدہ ہستیوں پر طرح طرح کے الزامات رکھتے ہیں،
اور خود انجیل نے آپ کی مقدس ذات کے متعلق گھٹیا خیالات کا اظہار کیا ہے
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واحد عظیم انسان ہیں جنہوں نے کسی ذاتی علم کی بنا
پر نہیں اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر مسیح کی صداقت پر گواہی دی ہے اور آپ
کی اتباع میں دنیا کے کروڑوں مسلمان حضرت مسیح کا نام حقیقی احترام سے لیتے
ہیں اور نام لیتے ہوئے علیہ السلام کہتے ہیں اور یہ سعادت مسیحیوں کو بھی نصیب
نہیں ہوئی اور یہ حقیقت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ دنیا بھر کے مسیحی اپنے
محسنِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن جھکاتے۔ آپ کا ذکر
نہایت ادب واحترام سے کرتے مگر افسوس۔ دنیا میں یہی واحد قدر ناشناس
اور ناشکری قوم ہے جو ہر قسم کے ذلیل ہتھکنڈوں، غلط بیانی، لالچ اور فریب
کے ذریعے اس آفتاب رشد وہدایت سے اہل توحید کو دور کرنے میں مصروف ہے

ایک حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھنا ضروری ہے کہ قرآن حکیم تاریخ کی
کتاب نہیں۔ اس کے پیش نظر صرف اسی قدر ہے کہ انبیاء کے متعلق غلط بیانیوں
کو دور کیا جائے اور مخالفوں کے بد اعمال اور غلط عقائد سے پردہ کشائی کی جائے
پس حضرت مسیح اور مریم صدیقہ کے متعلق صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح

خدا کے سچے رسول تھے۔ ان کے مخالف یہودی اور ان کو خدائی کا درجہ دینے والے مسیحی ہر دو گمراہ ہیں اور مریم صدیقہ ان الزامات سے پاک دامن ہیں جو اس زمانے کے مخالفوں نے آپ پر لگائے اور ان عظیم مادر و فرزند کے حق میں دیگر تعریفی الفاظ ان ہی امور کی وضاحت میں ہیں۔

ذیل میں ہم پادری صاحب کے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ انصاف پسند مسیحیوں اور خود اہل اسلام کو صحیح تعلیمات کا علم ہو سکے۔ اس سلسلے میں جہاں ہم نے قرآن حکیم سے استدلال کیا ہے وہاں انجیلی تعلیمات کا حوالہ بھی دیا ہے تاکہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ خود انجیل نے حضرت مسیح و مریم کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا ہے اور پادریوں نے کس حد تک فریب کاری سے کام لے کر حق کو چھپایا ہے۔

غلام نبی۔ ایم۔ اے

# سوال و جواب

**سوال ۱** مسیح کی پیدائش کا معجزانہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ اسکی بشارت حضرت مریم کو حضرت جبرائیل کے ذریعہ سے دی گئی۔ برعکس اس کے حضرت محمدؐ کی پیدائش کا ذکر تک بھی قرآن میں نہیں آیا ان کی پیدائش نہ معجزانہ ہوئی، نہ خوق عادت۔ پس بلحاظ پیدائش مسیح ابن مریم حضرت محمدؐ سے افضل ہیں۔

**جواب** قرآن حکیم میں کہیں بھی نہیں لکھا کہ حضرت مسیح کی پیدائش معجزانہ تھی۔ معجزا تو وہ ہوتا ہے جو کوئی نبی اپنے مخالفوں پر اپنی صداقت

ثابت کرنے کے لئے اس وقت دکھاتا ہے جب وہ مطالبہ کرتے ہیں یا اس نبی نے خود ان پر اپنی سچائی اور خدا کی قدرت کا اظہار کرنا ہو لیکن حضرت مسیح کی پیدائش اس لحاظ سے معجزا ہرگز نہ تھی۔ قرآن حکیم میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مریم سے کسی نے معجزا مانگا تھا۔ کہ وہ خاوند کے بغیر بچہ جن کر دکھائے نہ ہی کسی نے جناب مسیح سے کہا تھا کہ آپ بلا باپ کے پیدا ہو کر دکھائیے اور نہ ہی کسی نے خدا سے کہا کہ ہم تیری قدرت پر اس وقت ایمان لائیں گے جب کہ تو کسی کنواری عورت کے ہاں بچہ پیدا کرے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی بات درست نہیں تو اس پیدائش کو معجزے کے طور پر پیش کرنا کسی پادری کو زیب نہیں دیتا۔

پھر اگر مسیح کے بلا باپ پیدا ہونے سے آپ کی عظمت ثابت ہوتی ہے، تو پھر حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دو تو مسیح سے برتر اور افضل ثابت ہوتے ہیں کیوں کہ مسیح تو کم از کم دوسرے بچوں کی طرح ایک عورت کے شکم میں ۹ ماہ رہ کر پیدا ہوئے۔ حضرت آدمؑ اور حواؑ دونوں لفظ "کن" سے باپ اور ماں کے بغیر پیدا ہوئے۔ پھر دنیا کا کون سا کیڑا، پرندہ، درندہ اور حیوان ہے جو ابتداء میں معجزانہ طور پر پیدا نہیں ہوا تو کیا اس لحاظ سے وہ جناب مسیح پر فوقیت رکھ سکتے ہیں اور اگر کیڑے مکوڑے لفظ "کن" سے پیدا ہوتے تو پھر جس طرح یہ ان کا اپنا کمال نہیں اسی طرح مسیح کا بھی ذاتی کمال نہ ہوا۔ یہ تو پیدا کرنے والے کا کمال اور قدرت ہے جس نے ارادہ کیا اور کائنات کا ذرہ ذرہ نیست سے ہست کیا، مسیح کی کیا خصوصیت ہوئی؟

آپ ذرا بائیبل کی ورق گردانی کیجئے۔ جناب پولوس (عبرانیوں ۷: ۳ میں) لکھتے ہیں ا۔

"یہ ملکِ صدق سالم کا بادشاہ۔ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا
ہے جب ابرہام بادشاہوں کو قتل کر کے واپس آتا تھا تو اس نے اس
کا استقبال کیا اور اس کے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابرہام نے سب
چیزوں کی دہ یکی (دسواں حصہ۔ ناقل) دی۔ یہ اوّل تو اپنے نام کے
معنے کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر سالم یعنی صلح کا
بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر
کا شروع نہ زندگی کا آخر۔ بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا"۔

(عبرانیوں ۷: ۳)

پادری صاحب اب بتائیے کہ بڑا کون ہوا؟ اور اگر آپ کے عقیدہ
کے مطابق مسیح ہی ملکِ صدق سالم سے بڑے ہیں حالانکہ آپ کے کلیہ
کے مطابق ملک صدق سالم کو بڑا ہونا چاہیئے جو باپ اور ماں دونوں کے
بغیر پیدا ہوئے۔ تو پھر کسی کی پیدائش اس کی افضلیت کی دلیل نہ رہی۔
ذرا آگے بڑھیئے۔ قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ مریم دوسری عورتوں کی طرح
حاملہ ہوئیں۔ ۹ ماہ تک بچے کو پیٹ میں اٹھائے پھریں اور پھر شدید دردِ
زہ کے بعد بچہ جنا حالانکہ اکثر عورتیں کسی تکلیف کے بغیر بچے جنتی ہیں، اور
آج تو کسی قابل ڈاکٹر کی نگرانی میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ مریم کے متعلق
قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ
قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ (سورہ مریم)۔

"پس دردِ زہ کی شدت اسے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے گئی۔
اس نے کہا "کاش میں تکلیف کی اس گھڑی سے پہلے مرگئی ہوتی

اور بھولی بسری ہو چکی ہوتی"۔

درد کی یہ شدت دنیا میں بہت عورتوں کے حصے میں آتی ہے۔ اور اس تکلیف کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ حضرت مسیح اور مریم کی ذات کے متعلق الوہیت اور افضلیت کی جو داستانیں گھڑی گئی ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔

پس جناب مسیح رحم مادر میں حیض کا خون کھاتے رہے۔ مریم نے دردِ زہ کی حالت میں بچہ جنا۔ شدت درد سے موت کی آرزو کی اور پیدائش کے بعد ہی چین نصیب ہوا۔ حالانکہ اگر مسیحی عقیدے کے مطابق مسیحؑ کی پیدائش کو غیر معمولی واقعہ سمجھا جائے تو اس وجہ سے مریم کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اور پھر ۹ ماہ تک پیٹ میں اٹھائے پھرنے کی تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔

قرآن حکیم میں جو لکھا ہے کہ مریم کی قوم نے بچے ہی کی وجہ سے مریم پر بہتان عظیم لگایا جس سے ماں زندگی بھر بے قرار رہی اور مسیحی آج تک ان کی صفائی میں لگے ہوئے ہیں اور اگر اس بہتان کی تردید پاکوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرتے تو آج تک مریم کی پاک دامنی پر آسمانی شہادت نہ ملتی۔ ان حالات میں حضرت مسیح کی پیدائش کو غیر معمولی قرار دینا احمقوں کی جنت میں بسنا ہے۔

البتہ حضرت مسیح کی پیدائش اس لحاظ سے ایک نشان ہے کہ آپ کی پیدائش کی بشارت حضرت مریم کو قبل از وقت مل گئی تھی۔ قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ فرشتوں نے (جبریل کا کہیں ذکر نہیں) نے کنوارپن کی حالت

میں مریم کو بیٹے کی بشارت دی۔ تو بچے کی پیدائش سے قبل اس کی بشارت مل جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ عورتوں کو ایک ہی نہیں زیادہ بچوں کے متعلق خواب میں وقت سے پہلے بتا دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ بشارت شادی سے پہلے بھی مل جاتی ہے۔ اکثر مسیحی خواتین اس کی شہادت دیں گی۔ خود قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ، کو حضرت اسحٰق ؑ کی پیدائش کی فرشتے کے ذریعے حمل ٹھہرنے سے پہلے بشارت دی گئی تھی تو جس طرح حضرت مریم نے بچے کی بشارت ملنے پر حیرانگی کا اظہار کیا تھا اسی طرح نوے سالہ حضرت سارہ نے بھی کہا کہ میں کھوسٹ بڑھیا اور میرا خاوند صد سالہ بوڑھا ہے، میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا۔ مگر قدرت خداوندی کا یہ نشان ظاہر ہو کر رہا۔ لیکن کسی نے اس بات کو معجزہ نہ ٹھہرایا۔ اور اسے محض بشارت اور خدا کا فضل سمجھا۔ اس بات کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پیری میں اسماعیل اور اسحٰق عطا کئے"، کے الفاظ میں اظہار کیا۔

اسی طرح قرآن کی رُو سے حضرت زکریا ؑ اور آپ کی زوجہ محترمہ الیشبع کا معاملہ بھی حضرت ابراہیم ؑ اور سارہ کا سا تھا۔ چنانچہ اپنے وارث کے لئے دعا کرتے وقت حضرت زکریا نے کہا "خدایا بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کھڑکھڑانے لگ گئی ہیں اور سر سفیدی کی وجہ سے چمک رہا ہے اور میرا جانشین کوئی نہیں"۔ اللہ تعالےٰ نے بشارت دی کہ ہم تمہیں یحییٰ نامی ایک بیٹا دیں گے حضرت زکریا نے انتہائی حیرت زدہ ہو کر عرض کیا کہ میری زوجہ بانجھ ہے اور میں بوڑھا کھوسٹ ہو چکا ہوں، ہمارے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ لیکن خدا کی

قدرت سے غیر معمولی حالات میں یہ بچہ پیدا ہوا۔ کیا یہ بشارت مریم کی بشارت سے کم درجے کی تھی اور مریم کے ہاں بچہ پیدا ہونے میں ایک بات تو واضح ہے کہ وہ جوان تھیں اور بچہ جننے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ لیکن حضرت ابراہیم حضرت زکریاؑ اور ان کی ازواج مطہرات کے معاملے میں تو یہ امکان بالکل مفقود تھا۔ اس لحاظ سے اسحٰقؑ اور یحییٰ کی پیدائش مسیح کی پیدائش سے زیادہ معجزانہ انداز رکھتی ہے تو کیا پیدائش کے لحاظ سے پادری حضرات ان دونو نبیوں اور نبی زادوں کو مسیح پر فوقیت دینے کو تیار ہیں۔

اگر مسیح اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دئے جاتے ہیں کہ مسیح کے والد کا قرآن حکیم میں ذکر نہیں ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور والدہ ہر دو کا قرآن میں ذکر نہیں۔ مسیح کی والدہ کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلعم جناب مسیح سے افضل اور بلند تر ہوئے اور اگر یہ کہا جائے کہ تاریخوں میں آنحضرت صلعم کے والدِ مکرم اور والدہ ماجدہ کا ذکر ملتا ہے تو پھر خود انجیل میں حضرت مسیح کے والد یوسف نجار کا ذکر آیا ہے جس کا اقرار مسیح کے دوستوں، رشتہ داروں اور اہلِ قوم کے علاوہ خود والدہ محترمہ نے کیا ہے۔ ذیل کے حوالہ جات پر غور کیجئے۔

۱۔ ماں باپ

(شمعون راستباز اور خداترس یہاں قل) روح کی ہدایت سے ہیکل میں آیا اور جس وقت ماں باپ اس لڑکے یسوع کو اندر لائے تاکہ اس کے لئے شریعت کے دستور پر عمل کریں تو اس نے اپنی گود میں لیا"۔ (لوقا ۲: ۲۷-۲۸)

۲۔ "اور اس کا باپ اور اسکی ماں ان باتوں پر جو اس کے حق میں کی جاتی تھیں تعجب کرتے تھے"۔ (لوقا ۲: ۳۳)۔

۳- "فلپ نے نتن ایل سے مل کر کہا، جس کا ذکر موسیٰ نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے، وہ ہم کو مل گیا، وہ یوسف کا بیٹا مسیح ناصری ہے" (یوحنا ۱:۴۵)

۴- حضرت مسیح منادی کرتے اور معجزے دکھاتے اپنے علاقے میں پہنچے تو لوگوں نے کہا کیا یہ بڑھئی (یوسف نجار۔ ناقل) کا بیٹا نہیں اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ نہیں اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں (متی ۱۳: ۵۵-۵۶)

۵- "اور اس کی ماں نے اس سے کہا" بیٹا تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا، دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے" (لوقا ۲: ۴۵)

اب اگر انجیل کے یہ بیانات درست ہیں تو مسیح کی بن باپ پیدائش کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے گا۔ اور اگر پادریوں کا قرآن سے بلا باپ ولادت کا استدلال بنیاد قرار دیا جائے تو انجیل جھوٹی ٹھہرتی ہے۔ لہٰذا پادریوں کو چاہیے کہ وہ ان آیات کو انجیل سے خارج کر کے قرآن پر ایمان لے آئیں۔ کیا ان فریب کارانہ باتوں سے مسیح کی عظمت ثابت ہوگی؟

پھر انجیل سے ثابت ہے کہ جناب مسیح کے والد محترم کا نام یوسف نجار تھا۔ مریم اور مسیحؑ نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا وہ لوگوں میں اسی نسبت سے مشہور تھے۔ پادری صاحبان ثابت کریں کہ مسیحؑ کے زمانے میں کسی شخص نے جناب مسیحؑ کے والد کا انکار کیا ہو۔ مریم یا خود مسیحؑ نے بلا باپ پیدا ہونے کا انجیل میں اشارہ تک کیا ہو۔ پادریوں کا یہ کھیل بڑا خطرناک ہے۔ وہ مسیح کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے مسیحیت، اناجیل اور دنیا بھر کے مسیحی عقیدہ کو باطل ٹھہرانے کو تیار ہیں اور اس کتاب کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں جس نے ان کے مشرکانہ عقائد کی قدم قدم

پر مذمت کی ہے۔

پس پیدائش کے لحاظ سے نہ تو حضرت مسیح کو باقی انسانوں پر برتری حاصل ہے اور نہ ہی پیدا ہونے سے پہلے ماں کو بیٹے کی بشارت ملنا بچے کی خوبی کی دلیل ہے۔ اس سے محض ماں کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسے بچے کی عظمت سمجھنا بچپن کی علامت ہے۔ البتہ قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک عظیم بشارت کا ذکر کیا ہے۔ یہ بشارت آنحضرت صلعم کی بعثت سے چھ سو سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان اقدس سے ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

"میں تمہیں ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمدؐ ہوگا" حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بشارت آنحضرت کی عظمت پر بین دلیل ہے۔

پس اس قسم کے دلائل سے آنحضرت صلعم پر مسیحؑ کی فضیلت ثابت کرنا مارول گھٹنا پھوٹے آنکھ کے مترادف ہے۔ قرآن حکیم بائیبل کی طرح غیر مستند اور غیر مربوط تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ تو لوگوں کی ہدایت کے لئے آسمانی تعلیم ہے، تاریخ نہیں۔ قرآن حکیم آنحضرت صلعم پر چالیس سال کی عمر میں نازل ہونا شروع ہوا پھر اس میں آپ کی پیدائش کے واقعات کا ذکر کیسے ممکن تھا۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم نے انبیاء کے ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جو ان کی حقیقی تعلیم پر مبنی تھے یا ان کی طرف منسوب تھے۔ اسی طرح اقوام ماضیہ کی ترقی و زوال کا ذکر کر کے موجودہ لوگوں کو سبق دیا ہے کہ وہ پہلوں کے واقعات سے عبرت پکڑیں۔ چنانچہ حضرت مسیح اور مریم کی زندگی کے انہی واقعات کا ذکر کیا ہے

جو ان کی تعلیمات پاکردار کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری تھے۔ چونکہ، مدینہ اور عرب کے یہودی اور بت پرست حضرت مریم پر بدکاری کا اتہام لگاتے تھے۔ اس لئے آپ نے مدینہ کے یہودیوں سے تعلقات کی پروا نہ کرتے ہوئے ان کی مذمت کی اور حضرت مریم اور مسیح ابن مریم کی حمایت کی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی دیگر پاک دامن خواتین کا ان پر کسی الزام کے نہ ہونے کی وجہ سے، قرآن حکیم میں ذکر نہیں ملتا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و مطہر والدہ محترمہ اپنے وقت کی نیک ترین خواتین تھیں جن کا دامن ہر گونہ کمزوریوں سے پاک تھا۔ اور کسی ایسی عورت کی بریت کی ضرورت پڑتی ہے جس پر الزام ہو۔ دوسروں کی ہرگز نہیں۔ پس آنحضرت صلعم کی والدہ حضرت آمنہ کو مریم پر فضیلت حاصل ہے اور ان کے عظیم فرزند کو مسیح پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے کیونکہ قرآن حکیم کی صفائی کے باوجود دنیا کے ایک گروہ یعنی یہودیوں کی نظر میں مریم کا کردار مشکوک ہے۔ ان حالات میں ابن مریم اور مریم پر آمنہ اور ان کے لعل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نمایاں فضیلت حاصل ہے۔

مسیحی پادریوں کی خوبی دیکھئے کہ مسیح کی ایک کمزوری کو خوبی بنا کر پیش کر دیا ہے اور حضرت رسول کریم صلعم نے جناب مسیح اور مریم کے دامن سے شکوک کا جو غبار اتارا اسے آپ کی کمزوری کے طور پر پیش کر دیا۔ یہ قوم تو مسیح کی بھی ناشکری تھی، دوسرے کے سلسلے میں ان سے بھلائی کی توقع عبث ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد۔ جو چاہے آپکا حسن کرشمہ ساز کرے

دراصل کسی شخص کی عظمت کا معیار یہ ہے کہ وہ دنیا میں کتنا عظیم پیغام لایا۔

اس پیغام کے پہنچانے میں کس قدر جوانمردی اور استقامت دکھائی۔ اپنے زمانے میں کس قدر لوگوں کی زندگیوں میں اعلےٰ انقلاب پیدا کیا، اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہا اور دنیا سے کامیاب گیا یا ناکام اٹھا۔ اس لحاظ سے مسیح کا دامن خالی نظر آئیگا۔ چنانچہ آپ کا کلام دنیا سے ناپید ہے۔ اور جو کچھ آپ کے تشریف لے جانے کے سالہا سال بعد مختلف لوگوں نے ادھر ادھر سے سن سنا کر آپ کی ذات سے منسوب کیا وہ

زیادہ سے زیادہ آپ کی چند روزہ زندگی کے پریشان واقعات اور افکار کے سوا کچھ نہیں۔ اناجیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سے دوڑتے پھرتے چند ناقابل فہم تمثیلوں میں سادہ لوح یہودیوں کو الجھایا (مرقس ۴: ۱۰: ۱۲)۔ شرفاء نے آپ کو "کھاؤ۔ پیو۔ شرابی اور گنہگاروں کا یار" (متی ۱۱: ۱۸-۱۹، لوقا ۷: ۳۴-۳۵) سمجھ کر پہلو تہی اختیار کی آپ کے گرد چند سوسائٹی کے نچلے طبقے کے مفت خورے جمع ہوگئے۔ جو مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ گئے۔ خود آپ کو ذراسی تکلیف آتی نظر آئی تو پہلے مصیبت کا پیالہ ٹلنے کے لئے گریہ وزاری کرتے رہے اور جب قدرے دکھ پہنچا تو "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" (متی ۲۷: ۴۶) پکارنے لگے۔ اس پر خدا نے ترس کھا کر انہیں بچالیا اور آپ دنیا سے ناکام تشریف لے گئے۔ اسکے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغام دنیا کو دیا وہ آج بھی لفظ بہ لفظ قرآن حکیم کی صورت میں محفوظ ہے جس سے استفادہ کرنا مسیحی بھی ضروری سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے ۲۳ سال تک ہر قسم کے مصائب کا مقابلہ کرکے دنیا تک پیغام حق پہنچایا۔ دشمن کا پامردی اور استقامت کے ساتھ منہ توڑا۔ ان کے حملوں کو پسپا کیا۔ اپنے

گرد جانثاروں کا عظیم گروہ جمع کیا جو بلند اخلاقی میں دنیا کے رہنما ثابت ہوئے جنہوں نے قدم قدم پر آپ کے اشاروں پر جان و مال کی بے نظیر قربانیاں دیں۔ اور آخر آپ دنیا میں مضبوط آسمانی بادشاہت قائم کر کے دنیا سے کامیاب رخصت ہوئے۔ یہ ہے فضیلت جسے تمام دنیا نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے۔ "دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں میں محمدؐ سب سے زیادہ کامیاب ہوئے ہیں"۔

قرآن حکیم نے جہاں حضرت مسیح کو رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کہہ کر چھوٹی سی اسرائیل قوم کی طرف رسول قرار دیا ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام کی طرف رسول، رحمۃ للعالمین، صاحب خلق عظیم، بشیر و نذیر، سراجاً و قمراً منیراً (روشن آفتاب و ماہتاب) خاتم النبیین کے ارفع و بلند مقام پر کھڑے ہیں۔ آپ کے سر پر رفعنا لک ذکرک (ہم نے تیرا ذکر بلند کیا) کا تاج رکھا گیا اور آج دنیا کے ہر حصے میں مسلمان دن بھر میں کم از کم پانچ بار مسجد کے میناروں سے آپ کا نام بلند کرتے ہیں اور یہی وہ ذات اقدس ہے جس پر خود رب العالمین، اس کے جمیع ملائکہ اور تمام اہل اسلام شب و روز درود و سلام کے پھول برساتے ہیں اور یہ سعادت کسی اور کو کہاں نصیب ہے۔ پھر آپؐ کی نبوت کا دور تا قیامت ہے اور یہی وہ آفتاب رسالت ہے جس کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔

آفتابش را زوالے نیست نیست      دشمن اُو را کمالے نیست نیست

اس کو کہتے ہیں عظمت و فضیلت اور دنیا بھر کے عقلا و فضلا اس کے معترف چلے آرہے ہیں۔ دوسری طرف جناب مسیحؑ دو ہزار سال سے جان بچا کر آسمان پر بیٹھے ہیں اور اس کے برعکس خالق ارض و سماوات نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو بطور مہمان آسمان پر دعوت دی - تمام آسمانوں اور عرش معلے کی سیر کرائی - اپنی ملاقات اور جمال جہاں آرا سے مشرف کیا اور پھر بصد عزت و اکرام رخصت کیا -
اس کے باوجود اگر پادریوں کو رنگا ہی اس آفتاب ہدایت کی روشنی سے محروم ہے تو یہی کہہ سکتے ہیں -

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمہ آفتاب راچہ گناہ

---

**سوال نمبر ۲** مسیح کی والدہ حضرت مریم کی فضیلت علی نساء العالمین خود قرآن نے بیان کی ہے اور ان کو صدیقہ کا لقب دیا ہے لیکن حضرت محمد کی والدہ کا نام تک قرآن میں نہیں - اور بعض مسلمان ان کے ایمان دار ہونے کے قائل نہیں - اس لحاظ سے بھی مسیح ابن مریم حضرت محمد سے افضل ہیں -

**جواب** کسی شخص کی دوسرے شخص پر فضیلت کا یہ نہایت بھونڈا اور احمقانہ معیار ہے کہ ایک کی والدہ چونکہ دوسرے سے افضل ہے اس لئے وہ بھی دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے - پادری صاحب کی رائے ہے کہ مریم دنیا کی پہلی اور پچھلی تمام خواتین پر فضیلت رکھتی ہے تو اس صورت انجیلی عقیدے کی رُو سے جناب مسیح علیہ السلام کے تمام بہن بھائی جن کا انجیل میں ذکر آیا ہے دنیا بھر کے تمام انبیاء اور بزرگوں سے افضل ٹھہرے حالانکہ دنیا ان کی عظمت اور شہرت سے بے خبر ہے کیا یہ بہن بھائی مسیح کے ہم پایہ تھے یا پہلے انبیاء اور مسیح کے حواریوں سے مرتبے میں بڑے تھے اور یوحنا بپتسمہ دینے والے کے متعلق تو مسیح نے خود کہا ہے -

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں، ان

میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں" (متی ۱۱: ۱۱)۔
گویا کہ یوحنا مسیح سے بھی بڑے تھے۔ پس کسی کا بیٹا ہونا فضیلت یا پستی کا موجب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ فضیلت اور عظمت ہر انسان کی سیرت سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے ہاں بزرگ وہی ہے جو دوسروں سے زیادہ نیک اور پارسا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا نافرمانی کی وجہ سے غرق ہو گیا۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں برباد ہوئیں اور فرعون کی بیوی آسیہ جنت میں پہنچی۔
یہ دلیل لچر اور فضول ہے کہ چونکہ آنحضرت صلعم کی والدہ ماجدہ کا ذکر قرآن [illegible]ت میں نہیں۔ مریم کا ہے اس لئے مریم آمنہ سے بڑی ٹھہریں پادری صاحب! قرآن کو مریم [illegible]لیقہ کا ذکر اس لئے کرنے کی ضرورت پڑی کہ ان کے خلاف نابکار یہودیوں نے بدکاری کا الزام لگایا تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا (النساء) مریم پر بڑا بہتان لگانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا قرآن میں نام لے کر ان کی بریت کا اعلان فرمایا۔ لیکن دنیا کی دیگر عصمت مآب خواتین کی طرح آں حضرتؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا دامن ہر قسم کے شکوک سے پاک و بلند تر تھا۔ اس لئے ان کے ذکر کی ضرورت ہی کہاں رہی اور اس طرح ان کا ذکر نہ ہونا ہی مریم پر فضیلت کا موجب ٹھہرتا ہے۔ صرف تدبر کی ضرورت ہے کیا جب کسی عدالت میں کسی عورت کی جنسی بے راہروی کا شبہہ کیا جاتا ہے تو کیا اس سے متعلق فیصلہ دیتے وقت جج دنیا جہان کی خانہ نشین پاک دامن خواتین کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے؟ ان کا ذکر نہ ہونا ہی ان کی نیکی کی سند ہے۔

قرآن حکیم کا حضرت مریم پر یہ احسان عظیم ہے کہ ان کی شرافت کا ذکر کیا۔ اگر وہ یہودیوں یا دیگر لوگوں کی کتب کا رنگ اختیار کرتا تو آپ بھی مریم کو دیگر پاک دامن خواتین کے مقابل لانے کی جرأت نہ کرتے کیونکہ تمہاری کتب بھی شک وشبہ کو برقرار رکھنے میں دوسروں سے پیچھے نہیں۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ قرآن میں کسی کا ذکر نہ ہونے سے اس کی پستی ظاہر نہیں ہوتی۔ خود قرآن میں ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء) ہم نے بعض رسولوں کا آپ سے ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا، تو اس سے ان کی پستی ظاہر نہیں ہوتی جن کا ذکر نہیں ہوا کیونکہ قرآن حکیم کی رُو سے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ہم رسولوں کے مابین کوئی فرق روا نہیں رکھتے پس محض قرآن میں ذکر آجانے سے کوئی شخص یا شئے اس پر افضل نہیں ٹھہرتی جس کا ذکر نہیں آیا۔ مثلاً قرآن میں نمرود، فرعون، قارون، شیطان وغیرہ کا ذکر ملتا ہے لیکن سینٹ پال کا ذکر نہیں تو کیا ہم سینٹ پال کو ان سے گھٹیا مان لیں۔ یا مریم کے ساتھ ساتھ ان کے ذکر کی وجہ سے مریم کو ان جیسا دشمنِ حق تسلیم کر لیں اور ان کی اولاد کو مسیح کا مثیل یقین کر لیں۔ کچھ تو سوچئے۔ کاش حضرت مریم پر الزام نہ لگتا اور وہ رسوا نہ ہوتیں۔

پادری صاحب نے لکھا ہے کہ "محض مسلمان حضرت محمدؐ کی والدہ کے ایمان دار ہونے کے بھی قائل نہیں" یہاں آپ نے اپنا بنایا ہوا اصول توڑ دیا حالانکہ جناب نے شروع میں لکھا ہے کہ "اگر غیر معتبر روایات و حکایات کو چھوڑ کر قرآن بیانات کو دیکھیں" اور یہاں قرآن کو چھوڑ کر "بعض مسلمانوں" کا بیان لکھ دیا ہے کہ وہ حضرت آمنہ کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے۔ پادری صاحب عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ حضرت آمنہ تو اس وقت

وفات پاگئیں جب آں حضرت صلعم کی عمر صرف چھ سال تھی اور آپ کو والدہ کی
وفات کے چونتیس سال بعد چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اسلئے سیدہ آمنہ
اپنے فرزند پر کیسے ایمان لاتیں۔ پس جناب کا اور جناب کے بعض مسلمانوں
کا سیدہ آمنہ کے ایمان کے متعلق خیال بے بنیاد ہے۔ حضرت آمنہ اپنے دادا
حضرت ابراہیم کے دین پر تھیں اس لئے دنیا سے مسلمہ کی حیثیت سے اٹھائی
گئیں۔

البتہ انجیل کی رو سے حضرت مریم کا ایمان غیر یقینی ہے۔ انجیل سے ثابت
ہے کہ جناب مسیح اور مریم کے تعلقات خوشگوار نہ تھے اور حضرت مریم جناب
مسیح کی منکر تھیں چنانچہ ایک بار مسیح نے ماں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے" (یوحنا ۲:۴)

اس فقرے میں کس قدر نفرت اور بے رخی پوشیدہ ہے۔ اس کی وجہ
تو جناب مسیح یا مریم ہی کو معلوم ہو گی شاید آپ کی پیدائش سے اس کا کوئی
تعلق ہو لیکن انجیل ہی سے ثابت ہے کہ حضرت مریم جناب مسیح پر ایمان نہیں
لائی تھیں اور مسیح نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا "جب وہ بھیڑ سے
یہ کہہ رہا تھا۔ اس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اس سے بات
کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی
باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے
کو جواب میں کہا۔ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی"۔ اور
اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا "دیکھو میری ماں اور میرے
بھائی یہ ہیں۔ کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی
میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے"۔ (متی ۱۲: ۴۶۔۵۰)۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم اور آپ کی باقی اولاد مسیح پر ایمان نہیں لائی تھی جس سے مسیح کی عظمت کی عمارت ہی گر جاتی ہے۔ انجیل کی رُو سے اگر مریم کو یقین ہوتا کہ میرا یہ بیٹا معجزہ اور خدائی نشان ہے۔ خدا کی بشارت سے پیدا ہوا ہے تو وہ سب سے پہلے ایمان لاتیں اور اگر جناب مسیح کو اپنی والدہ کی بزرگی پر یقین ہوتا تو وہ ماں کو "اے عورت" کہہ کر خطاب نہ کرتے اور نہ ہی ان کی بے ایمانی کا برسرِ عام ذکر کرتے۔ پادریو! اگر مریم اور مسیح کے لئے تمہارے دلوں میں کس قدر عزت و احترام ہے تو اس بگڑی ہوئی انجیل کو چھوڑ دو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لو جنہوں نے ان بزرگ ماں بیٹے کی عزت دنیا میں قائم کی۔

لیکن قرآن نے اس کے برعکس مریم کو "صدیقہ" قرار دے کر ان کو انجیل اور یہود کے حملے سے بچایا۔ صدیقہ قرار دے کر ایک طرف تو یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل نے مریم کو مسیح کا جو منکر قرار دیا ہے وہ جھوٹ ہے بلکہ آپ بلا حیل و حجت حضرت مسیح کی نبوت پر ایمان لائی تھیں اور دوسرے یہودیوں نے آپ پر جو بدکاری کا الزام لگایا تھا وہ ناپاک کذب و افتراء ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ قرآن حکیم نے برًّا بوالدتی کہہ کر یہ بھی ثابت کیا کہ مسیحؑ اپنی والدہ کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے اور ان کی خدمت اپنا ایمان سمجھتے تھے۔ اور اگر مسیحی دوست چاہتے ہیں کہ وہ جناب مسیح اور ان کی والدہ محترمہ کا درست مقام سمجھ سکیں تو ان کے لئے ایک ہی راستہ کھلا ہے کہ وہ انجیل کی بدنام کن تحریروں کو چھوڑ کر قرآن کی صداقت کے سامنے گردن جھکا دیں۔

حضرت مریم کی "دنیا کی عورتوں پر فضیلت" بیان کرنے کی غرض بھی ان الزامات کا دھونا ہے جو بدبخت یہودیوں نے آپ کو ذلیل کرنے کے لئے

آپ پر رحمت تھے۔ اور "نساء العالمین" سے مراد محض مریم کے زمانے کی اسرائیلی خواتین ہیں۔ اور حضرت حوّا سے لے کر قیامت تک کی خواتین نہیں پھر اس زمانے کی خواتین پر بھی یہ جزوی فضیلت ہے یعنی نیکی، خدا شناسی اور پاکیزگی میں فضیلت۔ ورنہ دولت، اقتدار یا معاشرے میں عزت کے لحاظ سے اکثر خواتین آپ سے بلند تر مقام رکھتی تھیں۔ یہاں تو ان الفاظ سے یہودیوں کو احساس دلانا ہے کہ مریم نیکی اور پرہیزگاری میں تمہاری بیٹیوں اور بیویوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ اس قسم کا ایک فقرہ قرآن نے یہودیوں کے متعلق بھی بیان کیا ہے۔

فضلتکم علی العالمین — ہم نے تمہیں تمام قوموں پر فضیلت دی

یہاں اقوام سے مراد کسی خاص علاقے اور زمانے کی اقوام ہیں۔ جن پر یہودیوں کو کسی زمانے میں غلبہ حاصل ہوا۔ یہ نہیں کہ یہودی چین سے لے کر مراکش اور جنوبی افریقہ سے ناروے تک غالب آ گئے۔ بالخصوص جب کہ قرآن میں ان کی ذلت اور بدحالی کا بھی ذکر ہے۔ پھر یاد رکھئے کہ خدا کے ہاں کسی شخص کا مرتبہ کسی دوسرے شخص سے تعلق کی وجہ سے کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں حضرت لوطؑ کی بیویوں کی مذمت کی گئی ہے لیکن ان کی وجہ سے ان نبیوں کے مرتبہ میں کمی نہیں ہوئی وہ مقرب کے مقرب رہے۔ پھر قرآن پاک نے فرعون کی بیوی کو اس کی نیکی کی بدولت بلند مقام دیا ہے اور اسے اہل ایمان کے لئے نمونہ ٹھہرایا ہے لیکن خاوند ہونے کے باوجود فرعون دوزخ میں گیا۔ پس قرآن میں آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کی شان میں کہا "تم دنیا کی دوسری عورتوں جیسی نہیں ہو"۔ (سورہ احزاب) ان الفاظ میں ازواج النبی کی دنیا بھر کی خواتین پر برتری کا اعلان کیا ہے اور خواتینِ عالم میں مریم بھی شامل ہیں۔

پس یہ ازواج نبی سب پر سبقت لے گئیں۔ پس مسیحی پادریو! تنکوں کا سہارا مت لو اور مسیح کی مشکوک شخصیت کو پاکوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح نہ دو۔ حضرت مسیح نبی ہونے کے لحاظ سے ہمارے ایمان کا حصہ ہیں لیکن انہیں مشن، استقامت، پامردی اور کامیابی کے لحاظ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں۔ سوچو۔ بار بار سوچو۔ آپ پر ایمان لا کر احسان کا حق ادا کرو اور نجات دائمی حاصل کرو۔ جو آج محض آپ کی پیروی سے وابستہ ہے۔

---

**سوال نمبر ۳** مسیح کی پیدائش کے وقت خرق عادت امور وقوع میں آئے۔ مثلاً نخیل خشک ہرا بھرا ہو کر پھل لایا۔ ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ مریم کی تسکین کے لئے فرشتے نازل ہوئے۔ جیسا کہ سورہ مریم کے دوسرے رکوع میں مرقوم ہے لیکن حضرت محمد کی پیدائش کے وقت کوئی معجزہ یا خرق عادت امر وقوع میں نہ آیا اور قرآن سے بھی کسی معجزہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ پس ابن مریم ابن آمنہ سے برتر ہے۔

**جواب** پادری صاحب نے سورہ مریم کے دوسرے رکوع پر غور نہیں کیا۔ یہ رکوع تو مریم کی بے کسی اور بے چارگی پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"مریم حاملہ ہوئیں اور حمل کی حالت میں دور دراز مقام کو سفر کیا پھر درد زہ اسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ کہنے لگی" اے کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہوتی۔ تو اس کے نیچے سے ایک ندا آئی کہ غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک

چشمہ بہا رکھا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، تجھ پر تازہ پکی کھجوریں جھڑیں گی۔ سو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔ (۱۹: ۲۲-۲۶)

ان الفاظ پر بار بار غور کیجئے اور پادری صاحب کے فریب یا جہالت کا ماتم کیجئے۔ اس میں کہیں بھی نہیں لکھا کہ "نخیل خشک ہرا بھرا ہو کر پھل لایا" "ایک چشمہ جاری ہو گیا" اور "مریم کی تسکین کے لئے فرشتے نازل ہوئے"۔

واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت مریم حاملہ تھیں۔ حمل کے زمانے میں آپ کو (بقول انجیل اپنے منگیتر) یوسف نجار کے ساتھ طویل سفر کرنا پڑا۔ سفر کے دوران آپ کو دردِ زہ شروع ہوا۔ ناتجربہ کاری یا غربت کی وجہ سے ضروری اشیاء ساتھ نہ تھیں اور کسی دایہ یا دیگر ضروری اشیاء کا ملنا بھی محال تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ راستے میں سائے اور پردے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک طرف کھجور کے درخت تھے۔ حضرت مریم ایک کھجور کے درخت کی اوٹ میں گئیں۔ فلسطین کے گرم علاقے میں نخلستان میں پانی کا چشمہ ہونا حیرت کی بات نہیں اور کھجور کے درخت اکثر چشموں کے پاس ہوتے ہیں، لیکن حضرت مریم پردیس کی وجہ سے پانی اور خوراک کی جگہ سے واقف نہ تھیں۔ لہٰذا دعا کی ہوگی پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ نخل پر پکی ہوئی نرم اور شیریں کھجوریں موجود ہیں اور قدرے نیچے کی طرف سرد پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے اور دونوں چیزیں آسانی سے مل گئی ہوں گی مگر آپ کو درد اس قدر شدید تھا کہ آپ نے مرنے کی خواہش ظاہر کی، تاہم کھجوروں اور پانی کی موجودگی سے آپ کو ڈھارس بندھی۔ بچہ پیدا ہو گیا۔ درد جاتا رہا اور آپ نے پانی اور خوراک استفادہ کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔

اب بتائیے کہ اس میں خرقِ عادت بات کون سی ہے۔ ہزاروں عورتیں

سفر میں بچے جنتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے ہر قسم کی سہولتیں پیدا کر دیتا ہے۔ مریم کو بھی ناگہانی حالات میں غیر متوقع مدد ملی اور جب قدرت نے ایک تندرست لڑکا دیا تو تکلیف کا احساس جاتا رہا۔ بچے کو دیکھ کر تسکین پائی اور اپنا سفر شروع کر دیا۔

ایک برگزیدہ نبی کی والدہ ہونے کی وجہ سے مریم کی شخصیت تاریخی بن چکی تھی اور آپ کی بدنامی اور مشکوک کردار سے ایک نبی کے مشن کو نقصان پہنچتا تھا۔ اور دوسری طرف مسیحؑ کو مقام الوہیت بخشنے سے شرک کو تقویت پہنچتی تھی۔ اسلئے قرآن حکیم نے وہ حالات و واقعات بیان کر دیئے جن حالات میں آپ کی پیدائش واقع ہوئی تاکہ ایک طرف یہودیوں کے بہتان کا بطلان ہو اور دوسری طرف مسیح کو الوہیت کے قائلین کو معلوم ہو جاتے کہ ایک عورت کے شکم سے عام حالات میں پیدا ہونے والا بچہ خدا نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے مسیحیوں کو بتایا ہے کہ جو عورت دردِ زہ سے تڑپتی ہے' غذا کی محتاج ہے۔ دنیا کے طعنوں کا نشانہ بنتی ہے وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے اور اس کے بطن سے نکلنے والا بچہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت مریمؑ کے برعکس حضرت آمنہ ایک رئیس اور معزز خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کی نعمتوں اور آسائشوں سے مالا مال کر رکھا تھا۔ وہ اپنے دولت خانہ میں فروکش تھیں۔ بچے کی ولادت کے وقت بہتر سے بہتر دائی میسر تھی۔ خادمائیں حاضر تھیں، اپنے خاندان اور برادری میں انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان کی پاکدامنی پر فرشتے گواہ اور حوریں رشک کرتی تھیں اس لئے ان کے قلب مطہر میں کوئی اضطراب اور پریشانی نہ تھی جسے دور کرنے کے لئے فرشتوں

کی حاجت ہوتی۔ بچہ عام حالات میں پیدا ہوا اس لئے کوئی تکلیف بھی نہ ہوئی۔ مریم کو پردیس میں ولادت کے وقت جو پانی اور کھجوروں جیسی حقیر اشیاء مہیا کی گئیں۔ وہ پردیس میں کم ازکم ضرورت پوری کر سکتی تھیں اور حضرت آمنہ کو بہتر سے بہتر اشیاء بکثرت میسر تھیں۔ انصاف پسند پادری بتائیں کہ ان حالات میں خدا کی زیادہ عنایات اور تسکین کس کے ساتھ تھی محض ٹھنڈے پانی اور چند کھجوروں پہ فخر کرنے کی کون سی وجہ ہے جب کہ اس کیساتھ ہی قسم کا جسمانی اور قلبی اضطراب بھی موجود ہو۔

پادری صاحب مریم کی بے بسی پہ نگاہ رکھتے۔ جن حالات میں محترمہ کو تسلی دی گئی۔ انہیں بھی نگاہوں کے سامنے لائیے۔ اور پھر فیصلہ کیجئے کہ اللہ تعالےٰ کا خاص اور بے اندازہ فضل کس کے شامل حال۔ کس کی ولادت میں خدا کا ہاتھ خوبی سے کام کرتا نظر آتا ہے۔ کس کے ساتھ آسمانی برکات و نوازشات تھیں۔ آپ یقیناً اِس نتیجے پر پہنچیں گے کہ بلاشبہ حضرت آمنہ حضرت مریم پر فضیلت رکھتی ہیں اور شک و شبہ سے بالاتر عفیفہ آمنہ کا نورِ نظر دنیا کی نظر میں مشتبہ کردار مریم کے مشکوک النسب فرزند سے ہزار گنا افضل ہے اور اس لحاظ سے ابنِ مریم کو آمنہ کے لختِ جگر سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

کمال تو یہ ہوتا ہے کہ مریم کو پانی کی ضرورت ہوتی نہ کھجوروں کی، جنت سے حوریں آتیں۔ مریم کو جنت میں لے جاتیں۔ بچہ وہاں پیدا ہوتا اور پھر فرشتوں کے جھرمٹ میں دنیا میں آتا۔ بیابان، کھجور کا تنہ۔ سرد پانی، چند کھجوریں، دردِزہ، بچہ جنتے وقت موت کی آرزو، چنداں فخر کا موجب نہیں۔ اور نہ کسی عورت پر فضیلت کا باعث۔

پس فرزند آمنہ ابن مریم پر بے پایاں فضیلت رکھتے ہیں۔

---

**سوال نمبر ۴** مسیح کو تکلم فی المہد اور ایتاء کتاب و نبوت زمان شیر خوارگی تمام انبیاء پر اس کی فضیلت نہایت صاف و صریح دلیل ہے، برخلاف اس کے محمد صاحب نے صاحب کتاب و نبوت ہونے کا دعویٰ اس وقت کیا جب کہ سن بلوغ سے گذر کر پیرانہ سالی تک پہنچ گئے تھے۔ اور ان کی دنیاوی تجربہ کاری میں غالباً کوئی کسر باقی نہ تھی، لہذا مسیح ابن مریم ان سے افضل ہے۔

**جواب** خدا مسیحؑ کو ایسے نادان پیروکاروں سے بچاتے۔ پادری صاحب جو بات مسیحؑ کے حق میں پیش کر رہے ہیں وہ مسیحی عقیدہ الوہیت مسیح کے خلاف ہے۔ اور اگر جناب نے ان الفاظ کی روح پر غور کیا ہوتا تو ہرگز انہیں مسیحؑ کی عظمت کے طور پر پیش نہ کرتے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مسیح کی پیدائش ایسے حالات میں ہوئی جن سے ان کی اور ان کی والدہ کی شہرت مجروح ہوئی۔ ایک عام بچہ بھی ایسے تکلیف دہ حالات میں جنم نہیں لیتا۔ ۹ ماہ تک ماں کے شکم میں پلنے والا دوسرے انبیاء پر کیسے فضیلت کا حقدار ہو سکتا ہے۔ اور الوہیت کا حقدار کیسے بن سکتا ہے۔ تکلم فی مہد وکہلا کے الفاظ تو مسیح کی الوہیت کی تردید کے لئے ہیں عظمت کے لئے نہیں ہیں۔ تکلم فی المھد (پنگھوڑے میں بات کرنا) کا مطلب عربی زبان میں یہ نہیں کہ ادھر بچہ پیدا ہونے کے بعد پنگھوڑے میں ڈالا گیا اور ادھر وہ باتیں کرنے لگ گیا۔ کیا جب تک پنگھوڑے میں نہیں ڈالا جائے گا باتیں نہیں کرے گا، پھر

مسیح کو بیابان میں پنگھوڑا کہاں نصیب ہوا ہوگا۔ انجیل کے رُو سے تو
نہیں سایہ بھی نصیب نہ ہوا اور ماں نے بیٹے کو چرنی میں لٹا دیا۔ اور ممکن ہے
ساری عمر ہی نہ ملا ہو۔ خود قرآن میں تکلم فی المھد سے مراد لڑکپن
ہے۔ چنانچہ مسیح کی پیدائش کے بعد جب مریم اپنی قوم میں گئیں اور لوگوں
نے مسیح کے متعلق سوالات کئے تو مریم نے مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے
پوچھو۔ بزرگوں نے کہا کیف تکلم من کان فی المھد صبیاً ہم اس گود کے بچے
سے کیسے بات کریں۔

اس کا مطلب اسی قدر تھا کہ جو ابھی نو عمر ہے اس سے ہم کیا بات کریں،
ہماری شان کے خلاف ہے۔ یہی الفاظ حضرت یحییٰ کے متعلق ہیں۔
آتینٰہ الحکم صبیّا کہ ہم نے اسے لڑکپن (صبیا) میں حکمت عطا کی۔
گویا اس خصوصیت میں حضرت یحییٰؑ (یوحنا) مسیح کے ہم پلہ قرار دیئے
گئے ہیں۔ پس عربی کے محاورے میں "مہد" سے مراد نو عمر لڑکا ہے گود
کا بچہ نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے اطلبوا العلم من المھد الی
اللحد۔ پنگھوڑے سے لے کر لحد میں پہنچنے تک علم حاصل کرو۔ اب یہ
ایک محاورہ ہے جس کا مطلب اس قدر ہے کہ تمام عمر علم حاصل کرنے میں
لگے رہو۔ ورنہ کوئی بچہ پنگھوڑے میں پڑتے ہی علم حاصل نہیں کرنے لگتا
اور لحد میں پڑنے تک حاصل نہیں کرتا رہتا۔ بلکہ مرنے کے ساتھ ہی چھوڑ
دیتا ہے۔ قبر تک علم حاصل کرنے سے مراد ہرگز نہیں کہ ادھر مُردے
کو قبر میں اُتارا جائے اور ساتھ ساتھ وہ سبق بھی لیتا جائے۔ اس طرح
تکلم فی المھد دکھلاتا ہے کہ وہ بچپن اور بڑھاپے میں باتیں کرے گا گویا
کہ وہ زندگی کے مختلف مرحلوں سے گزریگا

اوّل تو تمام بچے پنگھوڑے ہی میں باتیں کرنا سیکھتے ہیں مسیح کی کیا خصوصیت ہوئی۔ یہ تو نہیں کہا کہ رحمِ مادر سے نکلتے ہی باتیں کرنے لگ جائے گا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ پنگھوڑے میں باتیں کرنا حیران کن امر ہے تو یہ بتائیے کہ اُدھیڑ عمر (کہولت) میں باتیں کرنے میں کون سی خرق عادت بات ہے۔ آخر کون سا انسان ہے جو جوانی ڈھلنے کے بعد باتیں نہیں کرتا۔ اور اگر کرتا ہے تو کیا خدا نے (نعوذ باللہ) یہ بے معنی بات کہی ہے کہ مسیح کہولت میں بھی بات کرے گا۔ دراصل یہاں اس مسیحی عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ مسیح خدا ہے۔ کیوں کہ جس شخص پر بچپن آئے پھر جوان ہو اور پھر بڑھاپے کو پہنچے وہ خدا کیسے ہو۔ کیوں کہ بڑھاپے کے بعد لازمی طور پر موت آئے گی۔ اور اللہ کی ذات اس قسم تغیرات سے پاک و برتر ہے تو دراصل یہ الفاظ مسیح کی عظمت پر نہیں کمزوری اور بشریت پر گواہ ہیں۔ ورنہ ان کا استعمال فضول ٹھہرتا ہے۔ ایک اور مقام پر مریم اور ابن مریم کے متعلق آتا ہے کانا یاکلان الطعام (المائدہ) وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اور بظاہر ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی، کون سا ایسا انسان یا دوسرا جاندار ہے جو کھانا نہیں کھاتا۔ پھر مسیح اور مریم کے سلسلے میں اس بات کا کیوں ذکر کیا گیا۔ دراصل یہاں بھی ان کی خدائی صفات کی تردید ہے کہ جو انسان کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے اور ان صفات میں مسیح کو کسی ڈک ٹام اور ہیری پر برتری حاصل نہیں۔ پادریوں کے استدلال کے مطابق تو مسیح کھانے پینے کے محتاج ہوتے اس لئے ان پر زندگی کے مختلف دور بھی آئیں گے اور دیگر انبیاء کے متعلق ایسا نہیں لکھا ہے تو گویا وہ اس کمزوری سے آزاد ہونے کی وجہ سے افضل ہو گئے۔ پس بچپن اور بڑھاپے میں باتیں کرنے کی بناء پر مسیح کو آنحضرت صلعم

اور دیگر انبیاء پر فضیلت دینا احمقانہ بات ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں مسیح کے تکلم فی المھد وکہلاً کا ذکر ہے وہاں (من الصالحین) (نیک بندوں میں سے) بھی لکھا ہوا ہے کہ خدا کے نیک بندوں میں سے ہونا بھی دوسرے نبیوں پر فضیلت کا موجب ہے۔

پھر "ایتاء کتاب و نبوت بہ شیر خوارگی" کی بھی ایک ہی کہی۔ کیا آپ نے تسلیم کر لیا کہ مسیح نبوت کے مقام پر تھے؟ تو اس صورت میں الوہیت کہاں گئی؟ اس کے علاوہ قرآن حکیم نے جہاں کتاب و نبوت کا ذکر کیا ہے، وہاں مسیح کے یہ الفاظ بھی ہیں "اللہ تعالےٰ نے مجھے زندگی بھر نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے" تو کیا مسیح نے پیدا ہوتے ہی اسی دن سے نماز ادا کی اور زکوٰۃ دینا شروع کر دی تھی؟ اول تو یہ خود خدا و ند مسیح کو کسی کی عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نیز قرآن کے برعکس انجیل کی تعلیم تو یہ ہے کہ مسیح نے تیس سال کی عمر میں آسمانی بادشاہت کی منادی شروع کر دی آپ کے نزدیک قرآن و انجیل کس کی بات سچی ہے۔ اگر قرآن کی بات سچی ہے تو پھر انجیل کو جھوٹا ثابت کرو اور اگر انجیل سچی ہے تو پھر اس کے برخلاف قرآن کی تعلیم سے مسیح کی صداقت ثابت کرنا کہاں تک دیانت داری ہے۔

پادری صاحب دراصل قرآن مجید کے اسلوب سے بیخبر ہیں۔ قرآن حکیم چونکہ تاریخ کی کتاب نہیں اس لئے وہ مختلف زمانوں کے واقعات کو یکجا بیان کر کے کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف ؑ کا قصہ خواب سے شروع کرتا ہے اور اس سے پہلے کے حالات کو ترک کر دیتا ہے۔ بھائیوں کے حسد سے وہ مصر میں جا نکلتے ہیں تو صرف زلیخا کی بدنظری کا واقعہ پیش آتا ہے اور آپ جیل میں جا پہنچے۔ کئی سال گذرنے کے بعد رہا ہوتے ہیں۔

اس زمانے میں صرف دو قیدیوں کے خواب کا ذکر ہے۔ باقی زندگی گمنام، بادشاہ کے وزیر بنتے ہیں تو صرف بھائیوں اور والدین کی آمد کا ذکر ملتا ہے اور باقی زندگی کے واقعات نہیں ملتے اور حضرت یوسفؑ کے اس قدر حالات ہی قرآن کے مقصد کے لئے درکار تھے۔ یہی صورت حالات دیگر انبیاء کی ہے۔ اسی طرح جناب مسیح کی زندگی کے دو زمانے پیش کئے ہیں۔ ایک تو پیدائش کا زمانہ اور دوسرا بلوغت میں نبوت و رسالت کا فعل اور یہودیوں اور مسیحیوں پر اتمام حجت کے لئے اس قدر ذکر درکار تھا۔ یہ نہیں کہ آپ پیدا ہوتے ہی نبی بن کر لوگوں میں تبلیغ کرنے لگ گئے تھے۔ ذرا انجیل کی ورق گردانی کیجئے۔ اور اس کی تردید نہ کیجئے۔ اناجیل کا بیان ہے کہ مسیح کی پیدائش کے بعد حاکم کے خوف سے یوسف اور مریم مسیح کو لے کر مصر بھاگ گئے تھے اور پھر کئی سالوں کے بعد اپنے وطن لوٹنے کی بجائے گلیل کے مقام ناصرہ میں آباد ہوئے اور وہیں مسیح نے تیس سال کی عمر میں تبلیغ رسالت کی ابتداء کی اور تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس وقت مسیح کی عمر تیس نہیں چالیس کے لگ بھگ تھی۔ جوانی کے عالم میں مسیح کے اعلان نبوت کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت مریم سے مسیحؑ کے متعلق سوالات کئے گئے تو چونکہ یہ سوالات جناب مسیح کے مشن اور منصب کے متعلق تھے۔ اس لئے ماں نے بیٹے کی طرف اشارہ کیا کہ یہ سوالات اسی سے دریافت کرو۔ چنانچہ مسیح نے ماں کی صفائی پیش نہ کی بلکہ اپنی نبوت اور تعلیم کا ذکر کیا کیونکہ سوال انہی کے متعلق تھا۔ مریم کی پاک دامنی کے متعلق نہ تھا۔ ورنہ مسیح کے جواب کو سن کر یہ باور کر لیا جاتا کہ مسیح کے پاس ماں کی نیک چلنی کے متعلق کوئی ثبوت نہیں۔ پس آپ کا جوانی کے زمانے میں قوم کے پاس آنا

اور صاحب کتاب و نبوت ہونے کا دعویٰ ہی درست ہے اور کسی نبی
کا جوانی کی پختہ عمر میں منصب نبوت پر فائز ہونا خرابی کی دلیل نہیں قرآن حکیم
نے فلما بلغ اربعین، بلغ اشدہٗ (جب وہ چالیس سال کا ہوا تو اسے علم و
عمل میں پختگی ملی) کہہ کر چالیس سال ہی کی عمر ہی کو نبوت کے لئے موزوں ٹھہرایا
ہے۔ ان تعلیم، استقامت، ایثار اور کامیابی کی بنا پر ایک نبی کو دوسرے
پر ترجیح دی جا سکتی ہے اور اس میدان میں جناب مسیح بہت کمتر نظر
آتے ہیں۔ حتی کہ حضرت یحییٰ بھی ان پر فائق معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے
انجیل کی رُو سے حق کی خاطر سر کٹوا دیا لیکن اُف تک نہ کی۔ خود مسیح نے انجیل
میں اپنے سے بڑا قرار دیا اور قرآن نے انہیں سیداً و حصوراً و نبیاً
(سردار، جذبات پر انتہائی قابو رکھنے والا اور نبی) کہہ کر مسیح پر فضیلت
بخشی کیونکہ انجیل کی رُو سے مسیح کا یہ پہلو دبتا ہے۔

اور اگر جناب مسیح کو کم عمری میں نبوت ملی تو پھر وہ تجربے کی پختگی سے
محروم رہے۔ ان کے سلوک سے بھی بڑائی کا اظہار نہ ہوا۔ انجیل سے معلوم
ہوتا ہے کہ اپنے ارد گرد کم فہم، مفت خورے لوگ اکٹھے ہو گئے جن کو
ڈانٹتے رہتے۔ مخالف تو الگ والدہ اور بھائیوں سے گرا ہوا لہجہ
اختیار کیا جس سے متاثر ہو کر شاگرد بھی ساتھ چھوڑ گئے اور بقول
انجیل صلیب پر لٹک جانے پر بھی کسی آنکھ نے ایک آنسو تک نہ بہایا
اور یہ سب غالباً کم عمری میں ذمہ داری سنبھالنے کا نتیجہ تھا۔ داناؤں
نے درست ہی کہا ہے الصبی صبیاً ولو کان نبیاً۔ بچہ بچہ ہی ہوتا
ہے خواہ وہ نبی ہی ہے۔ چنانچہ انجیل ہی میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک
شخص کے چار سو خنزیر دریا میں ڈبو دیئے، کسی کسان کی توڑ کر

فصل برباد کر دی، کسی کا گدھا بلا اجازت قبضے میں کر لیا اور غصے میں ایک غریب کسان کا انجیر کا درخت بد دعا کر کے ہمیشہ کے لئے خشک کر دیا اور اگر اناجیل کے یہ بیانات پادری صاحب کی نظر میں غیر مستند ہوں تو ہم سے بڑھ کر کسے زیادہ خوشی ہوگی۔ اس کے برعکس آنحضرت صلعم کی تجربہ کاری اور کردار کی پختگی نے آپ کو بے مثال کامیابی بخشی اور جس وارفتگی اور عقیدت سے لوگ آپ کے گرد ڈٹے رہے اس کی مثال تاریخ میں شاذ ہی ملے۔ اور جب دنیا سے اُٹھے تو ایک مضبوط سلطنت چھوڑ گئے۔ آپ کی تمام زندگی بلند کردار کی حامل تھی یہاں تک کہ آپ نے چالیس سالہ زندگی کو بالفاظ لقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون (میں نے نبوت سے قبل تمہارے درمیان چالیس سال گذارے ہیں) اپنی صداقت کے طور پہ پیش کیا اور دنیا کی تاریخ میں آپ واحد شخصیت ہیں جن کی زندگی کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں۔ تمام زندگی نہایت پاکیزگی سے اپنی قوم کے درمیان گذاری اور اسے اپنی عظمت و صداقت پر شہادت کے طور پر پیش کیا۔ اس کا نام ہے فضیلت، بے مثال عظمت اور خلق عظیم۔

اگر حضرت مسیح کو ماں کی گود ہی میں نبوت ملی ہوتی اور آپ کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم مل چکا ہوتا تو آپ اسی وقت وضو کر کے نماز ادا کرتے۔ گرجا کی بنیاد رکھتے، پیٹ پر رینگتے ہوئے اپنی نبوت کا ہر جگہ اعلان کرتے، دولت کما کر زکوٰۃ ادا کرتے۔ مگر قرآن تو خاموش ہے ہی۔ انجیل بھی پادری صاحب کی تائید نہیں کرتی اور اس کی وجہ یہی ہے کہ پادری صاحب نے غلط استدلال کیا ہے ورنہ مسیح نے چالیس

سال کی عمر میں منادی کی تھی۔

پادری صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجربہ کے بعد پختہ عمر میں نبوت ملنا نقص کے طور پر پیش کیا ہے لیکن تجربہ ہی نے بتایا ہے کہ یہ خیال لچر ہے۔ آپ کی چالیس سال کی بلند پایہ زندگی اور معاشرے پر اس کے تاثرات کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ آپ کو قریب سے جانتے تھے وہ فوراً آپ پر ایمان لے آئے اور دوسروں نے بھی آپ سے اختلاف رکھنے کے باوجود آپ کی راست گوئی کا کبھی انکار نہ کیا۔ خود قرآن کا ارشاد ہے "اے محمدؐ! یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں"۔ آپ کے بدترین دشمنوں نے بھی آپ کی راستبازی، دیانت، امانت، سخاوت، ایثار، عالی نسبی، ہمدردی، اغربا نوازی اور انصاف پروری کی ہمیشہ تعریف کی۔ اگر تجربہ بری شے ہے تو پھر کامیاب تجربہ ہی ناکام نبوت سے بہتر رہا، لیکن دنیا گواہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر خدائی احکام پر عمل کیا۔ دوسروں سے عمل کرایا۔ شریعت کے نفاذ میں کسی کی پرواہ نہ کی۔ حالانکہ انجیل کے مطابق آپ کے برعکس جناب مسیح نے اعلان تو توریت کی تکمیل کا کیا مگر عملاً اس کی مخالفت کی۔ (متی ۵: ۱۷ تا آخر)۔ موسوی توحید کی بجائے ابن خدا ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹا۔ شریعت کے خلاف شاگردوں کو ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھانے کی اجازت دی اور سبت کا بھی احترام نہ کیا (متی ۱۴: ۱-۵)۔ خود لوگوں کو شراب بنا کر پیش کی (یوحنا ۲: ۱-۱۱) اور بقول پادری صاحب مسیح نے عہد سے تبلیغ شروع کی اور کہولت تک پہنچے اور آخر دنیا سے ناکام اٹھے۔ آنحضرت صلعم نے تن تنہا کام شروع کیا۔ تئیس سال کی مختصر سی زندگی میں شرک کو

مٹا کر توحید قائم کی۔ ہر قسم کی بدی کا خاتمہ کیا اور خوں خوار دشمنوں پر غلبہ پا کر ملک میں خدائی قانون نافذ کر دیا۔ شاہی میں فقیرانہ شان قائم رکھ کر سلاطین کے لئے اعلیٰ نمونہ چھوڑا۔ اب بتائیے فضیلت کسے حاصل ہوئی؟ کچھ تو یارو خدا سے شرماؤ۔

پادری صاحب کو یہ تو یاد رہا کہ قرآن نے جناب مسیح کی یہ خوبی بتائی ہے کہ وہ جوانی کے بعد بھی باتیں کریں گے لیکن ماں بیٹے کے متعلق ایک بات تو بھول گئے ہیں کہ کانا یاکلان الطعام۔ کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس میں مریم اور ابن مریم کا کیا کمال ہے اس سے تو کوئی کیڑا مکوڑا، درندہ، چرندہ، پرندہ اور انسان خارج نہیں۔ پادری صاحب درست ہے نا۔ اور چونکہ قرآن میں آنحضرت اور آپ کی والدہ کے کھانا کھانے کا ذکر نہیں اس لئے مسیح اور مریم کو ان ہر دو پر فضیلت ہوئی۔ گو قاعدے کی رُو سے ان کی عظمت ثابت ہوتی ہے جو کھانے پینے کے محتاج نہیں۔ البتہ قرآن کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جو شخص بچپن، جوانی اور بڑھاپے کو پہنچتا ہے اور زندگی کے لئے کھانے پینے کا محتاج ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

ذرا سی بات تھی جس کو جناب پادری نے بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے۔

**سوال نمبر ۵** از روئے قرآن عیاں ہے کہ جس وقت مسیح کو دشمنوں نے پکڑنا چاہا۔ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے اور بہ جسد عنصری اٹھا کر آسمان پر لے گئے اور اس طرح سے خدا نے اسے کفار ناہنجار سے محفوظ رکھا لیکن جب مکہ میں دشمنوں نے

محمد صاحب کا محاصرہ کیا تو نہ کوئی فرشتہ ان کو بچانے آیا اور نہ وہ آسمان پر پہنچائے
گئے بلکہ عام لوگوں کی طرح چل کر دشتِ پُرخار سے گزرتے ہوئے دشمنوں کی نظر
سے پوشیدہ ہو کر وتار غار میں جا چھپے - پھر وہاں سے بھاگ کر مدینہ
میں داخل ہوئے کیا یہ زمین و آسمان کا فرق نہیں -
دیگر انبیاء کو بھی اگر دشمنوں سے بچایا تو زمین پر، کسی کو بغرضِ حفاظت
آسمان پر نہیں پہنچایا - اگر مسیح بھی ایسا ہی ہوتا جیسے وہ تھے تو انکی طرح
زمین پر بچایا جا سکتا - آسمانی حفاظت اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ تمام
انبیاء و رسل سے نرالا اور افضل ہے - اگر محمد صاحب مسیح کے ہم مرتبہ
ہوتے تو ضرور دشمنوں سے محصور ہونے کے موقعہ پر آسمان پر پہنچائے
جاتے اور زمین پر بھاگ کر غاروں میں چھپنے کی ضرورت نہ ہوتی -
ان حقائق سے بھی صاف عیاں ہے کہ مسیح محمد صاحب سے افضل ہے
اور فضیلت میں شک کی گنجائش نہیں -

**جواب** پادری صاحب نے غلط اشاروں سے غلط نتائج اخذ کر کے لوگوں کو دھوکا دینے کی جو پُرفریب کوشش کی ہے
اس پر روشنی ڈالنے سے پہلے میں متعلقہ آیات کا ترجمہ پیش کرنا ضروری
سمجھتا ہوں - قرآن حکیم کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما وقولھم انا
قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ و
ما صلبوہ ولٰکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ
لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما
قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیما - (النساء)

اور ان کے کفر کے سبب سے اور ان کے مریم پر بہتان باندھنے کی وجہ سے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اُسے صلیب پر مارا مگر وہ ان کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا۔ اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو اس کا کچھ علم نہیں۔ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے"۔

اب ان الفاظ کو ایک دفعہ پھر پڑھ جائیے۔ ان میں کہاں لکھا ہے کہ جس وقت دشمنوں نے مسیح کو پکڑنا چاہا تو فرشتے نازل ہوئے اور مسیح کو بجسد عنصری اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ ان میں کہیں نہیں کہ دشمنوں نے مسیح کو پکڑنا چاہا۔ نہ ہی فرشتوں کا کہیں نام آیا ہے اور نہ ہی لکھا ہے کہ فرشتے اٹھا کر آسمان پر لے گئے صرف اس قدر ذکر ہے کہ یہودیوں سے مسیح نے رسول ہونے کا دعویٰ کیا اور یہودیوں نے آپ کی رسالت کا انکار کیا۔ مریم پر بہتان عظیم لگایا۔ مسیح کے متعلق کہا کہ ہم نے اُسے قتل کر دیا یا صلیب پر مار ڈالا۔ انہیں اس بات کا یقینی علم نہیں محض گمان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا اس کے برعکس اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ پادری صاحب کے فرشتے اور آسمان تو غائب ہو گئے۔ قتل کا واقعہ بھی پیش نہ آیا اور اس طرح یہودیوں کا یہ خیال باطل ہُوا کہ مسیح قتل یا صلیب پر مر کر لعنتی ہوتے جیسا کہ بائیبل میں آیا۔

جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے (استثنا ۱۸: ۲۰)۔

جسے پھانسی دی جاتی ہے وہ خدا کے ٹھاں ملعون ہوتا ہے (ایضاً ۲۱: ۲۲)

اور اس مقام پر تردید بھی دو باتوں کی مقصود ہے ایک تو یہ کہ حضرت مریم پر بدکاری کا الزام جھوٹ ہے اور دوسرے یہودیوں کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ مسیح مقتول یا مصلوب ہو کر لعنتی اور جھوٹے ثابت ہوتے، نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ بد قسمتی سے مسیحیوں نے بھی مسیح کو صلیب پر مار کر لعنتی قرار دیا لیکن قرآن پاک نے یہاں ماں بیٹے دونوں کو بریت ثابت کر کے آپ کے دشمنوں کی مذمت کی، ساتھ ہی مسیحیوں کے کفارہ کے مسئلے کا بھی بطلان کیا۔ البتہ یہاں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ گو مسیح قتل و مصلوب تو نہ ہوتے تاہم ان سے ایسا واقعہ ضرور پیش آیا جس سے ان کی حالت مقتول یا مصلوب کی سی ہو گئی اور یہ بات اس دعوے کی بھی تردید کر دیتی ہے کہ کسی قسم کی تکلیف سے پہلے ہی فرشتے آپ کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ اور خود انجیل ہماری تائید کرتی ہے۔ کیا ان آیات سے مریمؑ اور عیسیٰؑ کی بے بسی ظاہر نہیں ہوتی۔ آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے جنہوں نے ہر دو کو الزامات سے نجات دلا کر دنیا کے سامنے سر اٹھانے کا سامان کیا۔

یہ دعویٰ کہ مسیحؑ کے ساتھ خدا نے دیگر انبیاء کے مقابل ترجیحی سلوک کیا، ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تصدیق اناجیل سے نہیں ہوتی۔ پادری صاحب نے قرآن کے الفاظ ؔبل رفعہ اللہ الیہؔ دقتل و صلیب کی لعنتی

موت کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اُٹھا لیا) سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خدا نے اسے آسمان پر اٹھا لیا۔ گویا کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کسی (چوتھے) آسمان پر ہے۔ خدا کی ذات کسی جگہ مقید نہیں۔ وہ تو نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے وسع کرسیہ السموٰت والارض اسکی ذات ارض و سما پر حاوی ہے۔ پھر مسلمان کو حکم دیا واسجد واقترب سجدہ کر اور خدا کے قریب ہو جا۔ اور اسی کا بیان ہے کہ نیک باتیں اس کی طرف اٹھائی جاتی ہیں جس کا مطلب اسی قدر ہے کہ وہ نیک بندوں کی عزت افزائی کرتا ہے۔ قرآن میں یہ بھی ہے کہ وہ نیکوں کے درجات بلند کرتا ہے اور اس سے مراد جسمانی بلندی نہیں ان کے روحانی مرتبے کی بلندی ہے اور مرتبہ اونچا کرنے کا مفہوم اسی قدر ہے کہ وہ خدا کی نگاہ میں محترم ہے لعنتی اور ذلیل نہیں۔

پادری صاحب کے اس دعوے کی انجیل تردید کرتی ہے کہ مسیح کو خدا نے پھول بھی نہ لگنے دیا اور آسمان پر اٹھا لیا۔ اس کے برعکس مسیح کی زندگی دکھوں سے بھری معلوم ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے والدین بھی اسی چکر میں پھنسے رہے۔ اوّل تو جس والدہ اور بیٹے کو قدم قدم پر، ہر جگہ، عمر بھر لوگوں کے طعنے سننے پڑے ہوں کہ (نعوذ باللہ) ماں بدکار ہے تو انصاف پسند لوگ بتائیں کہ ایسے ماں بیٹے کی زندگی میں کس قدر سکونِ قلب ہوگا۔ چنانچہ بچپن میں جناب مسیح کی بدولت مریم اور یوسف نجار مسیح کو لے کر مصر بھاگ گئے اور کئی سال وہاں رہے۔ حالانکہ یہ وقت تھا کہ مسیح اور مریم کو آسمان پر اٹھا کر

دنیا کی لعنت ملامت سے بچایا جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ دیگر انبیاء اور عوام اس عذاب دائمی سے بچے رہے۔ پردیس میں چند سال رہنے کے بعد واپس آئے تو اپنے وطن کی بجائے گلیل کے شہر ناصریہ میں سر چھپایا۔ حتیٰ کہ بقول انجیل تیس سال کی عمر میں اپنی خدائی کا اعلان کیا۔ آپ کی بقیہ زندگی کے تین سال انتہائی بے چینی میں گذرے۔ انجیل کی رُو سے جناب مسیح کی جو گت بنی وہ خدا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ ذیل کے حوالوں کو دیکھئے :-

## دکھوں کی پیش گوئی

ایک بار جناب مسیح نے اپنے شاگردوں کو بتایا :- "ابن آدم سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالے کیا جائے گا اور وہ اس کے قتل کا حکم دیں گے۔ اور اُسے غیر قوموں کے حوالے کر دیں گے، اور وہ اسے ٹھٹھوں میں اڑائیں گے اور اس پر تھوکیں گے اور اسے کوڑے ماریں گے۔ اور قتل کرینگے اور تین دن کے بعد وہ جی اٹھیگا (مرقس ۱۰: ۳۳-۳۴)۔

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ بقول پادری صاحب "وہ تمام انبیاء سے نرالا اور افضل ہے"۔ اس نرالے سلوک کی مثالیں سُن لیجئے :-

۱:- "ان باتوں کے بعد یسوع گلیل میں پھرتا رہا کیونکہ یہودیہ میں پھرنا نہ چاہتا تھا۔ اس لئے کہ یہودی اس کے قتل کی کوشش میں تھے"۔

(یوحنا ۷: ۱)

۲:- "جب اس نے سُنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کو روانہ ہوا اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرنحوم میں جا بسا" (متی ۴: ۱۲-۱۳)۔

۳:- "اور اس (یوحنا) کے شاگردوں نے آکر لاش اٹھائی اور اسے دفن کر دیا اور جا کر یسوع کو خبر دی۔ جب یسوع نے یہ سنا تو وہاں سے کشتی پر الگ کسی ویران جگہ کو روانہ ہوا"۔ (متی ۱۴: ۱۲-۱۳)۔

۴:- اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا "یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بیقرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے اُن سے کہا "میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی۔ کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آ کر انہیں سوتے پایا اور پطرس سے کہا کیا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے۔ جاگو اور دعا کرو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔ پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی، اے میرے باپ اگر یہ میرے پئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔ اور آ کر پھر انہیں سوتے پایا کیوں کہ ان کی آنکھیں نیند سے بھری تھیں اور ان کو چھوڑ کر چلا گیا اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی۔ تب شاگردوں کے پاس آ کر اُن سے کہا اب سوتے رہو اور آرام کرو" (متی ۲۶: ۳۶-۴۵)۔

۵:- "اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دل سوزی سے دعا کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا" (لوقا ۲۲: ۴۳-۴۴)۔

۶:- "انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اسے مکے مارے اور بعض نے

طمانچے مار کر کہا اے یسوع ہمیں نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا۔ (متی ۲۶: ۶۷-۶۸، مرقس ۱۴: ۶۵)۔

۷:۔ جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں۔ اور اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطوس حاکم کے سپرد کیا"۔ (متی ۲۷: ۱-۲)۔

۸:۔ اس پر اس نے برابا کو چھوڑ دیا اور یسوع کے کوڑے لگا کر حوالے کیا کہ مصلوب ہو"۔ (متی ۲۷: ۲۶)

۹:۔ اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اُس کے کپڑے اتار کر اُسے قرمزی جبہ پہنایا اور کانٹے کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے دائیں ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب! اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے۔ (متی ۲۷: ۲۷-۳۰)۔

۱۰:۔ اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لئے اور وہاں بیٹھ کر اس کی نگرانی کرنے لگے اور اس کا الزام اس کے سر کے اوپر لگا دیا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے اس وقت اس کے ساتھ دو ڈاکو مصلوب ہوئے ایک داہنے اور ایک بائیں اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو طعن کرتے تھے اور کہتے تھے اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے

اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے کیونکہ اس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے"۔ (متی ۲۷: ۴۲-۴۴)

۱۱- تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلّا کر کہا، ایلی۔ ایلی لما شبقتنی۔ اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ (متی ۲۷: ۴۶)۔

پادری صاحب! کیا خدا کا مسیح کے ساتھ یہی بہترین سلوک ہے جس کی وجہ سے انہیں دیگر انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اور اگر انجیل کا یہ بیان غلط ہے تو اعلان کیجئے۔ اور اگر انجیل درست کہتی ہے تو پھر مسیح کی فضیلت کا بے سُرا راگ ختم کیجئے کیوں کہ آپ کی خاموشی ہی میں مسیح کا بچاؤ ہے۔

## انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ نصرت الٰہی

جناب مسیح کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ نے دوسرے انبیاء کی جس قدر نصرت فرمائی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی۔ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ جہاں تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا تعلق ہے اللہ تعالےٰ کا آپ سے وعدہ تھا۔ واللہ یعصمک من الناس، اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا، اور پادری صاحب کو معلوم ہے کہ آں حضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رکھکر

ہی محفوظ رکھا اور بالآخر دشمنوں پر غالب کیا۔ کیا دشمنوں کے مقابلے سے ہمیشہ کے لئے بھاگ جانا خدا کی تائید کا نشان ہے یا دشمنوں کا مقابلہ کر کے ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا عظمت کی علامت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جوانمردی اور استقامت کا حیرت انگیز نمونہ دکھایا انصار مدینہ آپ کو دو تین سال تک اپنے ہاں چلے آنے کی دعوت دیتے رہے تاکہ آپ زیادہ سازگار ماحول میں اسلام کی اشاعت اور اسلامی حکومت کے قیام کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ آخر جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے اشارہ ہوا تو آپ نے سب سے پہلے اپنے جانثار ساتھیوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ آپ دو چار ساتھیوں کے ساتھ اکیلے ہی رہ گئے۔ اب قریش نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ آپ کے گھر کو گھیر لیا لیکن آپ کا قلب مطمئن تھا۔ نہ کوئی چیخ نہ پکار، نہ گریہ زاری نہ "اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" کا واویلا۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دشمنوں کے درمیان سے گزر گئے وہاں سے اپنے معتمد ترین رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ اونٹ تیار تھے، سوار ہو کر مدینہ کی راہ لی۔ دشت پرخار میں چلنے کی نوبت ہی نہیں آئی سچا تو اس کو کہتے ہیں۔ شہر سے چند میل باہر غار ثور میں دشمنوں کے درمیان تین دن تک ٹھہرے رہے تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ آپ کا خدا آپ کے ساتھ ہے۔ وہاں ہر روز صبح شام ابوبکر صدیقؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ اور غلام دودھ اور کھانے پینے کی ضروری اشیاء اور شہر کی خبریں پہنچاتے رہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو دشمنوں کی نقل وحرکت سے فکر لاحق ہوئی تو آپؐ نے فرمایا "لاتحزن

ان اللہ معنا" دوست غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ان الفاظ سے کس قدر اطمینان خدا کی نصرت پر ایمان اور اپنی کامیابی کا یقین ظاہر ہوتا تین دن کے بعد نہایت اطمینان کے ساتھ سوار ہو کر چلے اور پرسکون سفر کے بعد مدینہ جا پہنچے۔ جہاں آپ ایک کامیاب آقا کی حیثیت سے داخل ہوئے اور پھر فتح یاب مکہ کو لوٹے۔ کیا اب بھی پادری صاحب کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کے ساتھ خدا کی زیادہ اور غیر معمولی تائید تھی۔ کیا حضرت نبی اکرمؐ کا دشمنوں کے درمیان یہ سبق فرشتوں کی نصرت کو ظاہر نہیں کرتا دراصل دشمنوں کے درمیان ہوتے ہوئے محفوظ رہنا عظمت کی بات ہے۔ آسمان پر جا کر دو ہزار سال سے بیٹھے رہنے میں مسیح کا اپنا کیا کمال ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام دشمنوں کے درمیان رہے۔ ان کا مقابلہ کیا۔ اُن پر غالب آئے۔ اپنا دین ملک میں قائم کیا۔ اس کے برعکس جناب مسیحؑ مٹھی بھر یہودیوں سے گھبرا اُٹھے تو یہ دیکھ کر کہ مسیح آسمانی بادشاہت قائم کرنے کی بجائے اسے لے ڈوبے گا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ کے لئے اس منظر سے دُور کر دیا۔ تاکہ کوئی عظیم نبی اس مشن کی تکمیل کرے۔

دنیا کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے دشمنوں کو غرقِ طوفان کر دیا اور نوحؑ اور آپ کے پیرو بچ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے مقابل غالب آئے اور وہ نامراد دنیا سے گیا۔ جب کہ ابراہیم پر کروڑوں انسان آج بھی مشرق سے مغرب تک درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اگر وہ بھی بھاگ کر آسمان پر جا چھپتے تو نہ ان کی اولاد

میں انبیاء و سلاطین پیدا ہوتے اور نہ دنیا میں توحید کا ڈنکا بجا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کا مقابلہ کیا وہ مقابلے میں بے بس ہوا اور آخر لشکر سمیت ڈوب مرا۔ پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کو ختم کیا مگر پادری صاحب بزاخفش کی طرح غور و فکر کی اصل حقیقتوں سے عاری ہیں۔ البتہ ہم صاحب الرائے اور انصاف پسند مسیحیوں سے پوچھتے ہیں کہ خدا کس کے ساتھ تھا اور حقیقی کامیابی کیسے ہوئی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا وحشی عربوں کے درمیان توحید کا پیغام لے کر اٹھے۔ دشمنوں نے قدم قدم پر مخالفت کی مگر آپ نے استقامت اور صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ دشمنوں نے آپ کے مشن کو ختم کرنے کے لئے بار بار لشکر کشی کی مگر ہر بار منہ کی کھائی حتیٰ کہ تئیس سال کی قلیل مدت میں آپ نے خدا کی نصرت سے بدی کی قوتوں کو کچل ڈالا۔ بت پرست توحید پرست بن گئے۔ بدکار نیکوکار ہو گئے۔ عرب سے زنا، چوری، شراب نوشی، جوا بازی، دختر کشی وغیرہ برائیاں حرف غلط کی طرح مٹ گئیں دنیا میں ایک نئی تہذیب ابھری اور علم و سائنس، عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور اخلاقِ حسنہ کے چشمے جاری ہو گئے اور پسی ہوئی انسانیت نے جور و استبداد سے نجات حاصل کر کے اطمینان کا سانس لیا۔

پادری صاحب ایمانداری سے بتائیں کہ کسی ہستی کی عظمت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناکام ہو کر میدان سے بھاگ جانے میں ہے یا دشمنوں کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آنے میں۔ ایک مکہ باز دیکھئے جب

مخالف سے مرعوب ہو جاتا ہے اور اس کا مالک اُسے مقابلہ کئے بغیر کسی دور دراز علاقے میں پہنچا دیتا ہے اور پھر کبھی مقابلہ پر نہیں لاتا۔ ایک دُوسرا گتکہ باز اکھاڑے میں آتا ہے اور اپنے فن کی مہارت، توانائی، جوانمردی اور سب سے بڑھ کر خدا کی نصرت سے سخت مقابلہ کے بعد دشمن کو مغلوب کر لیتا ہے مخالف اس کے مداح ہو جاتے ہیں۔ دنیا اُس کو شاباش کہتی ہے اور وہ باقی زندگی لوگوں کے ادب و احترام کے درمیان گذارتا ہے۔ بتایئے دونوں میں افضل کون ٹھہرا۔

پادری صاحب جس طرح آپ مسیح کا بچنا بیان کرتے ہیں وہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ آپ تصوّر کیجئے کہ آپ کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور آپ کو مقابلے کے بغیر کسی ایسے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں انسان، حیوان، چرند پرند، کوئی بھی تو نہیں۔ اب آپ دشمن سے محفوظ تو ہو گئے لیکن والدین، بیوی بچوں، بہن بھائیوں، عزیز و اقربا، دوست و احباب اور دنیوی زندگی سے بالکل منقطع ہو گئے آپ اس زندگی کو خدا کا خاص احسان سمجھیں گے یا اس بات کو کہ آپ مصیبت کا مقابلہ کر کے اس پر قابو پا لیں اور اپنی دنیا سے الگ نہ ہوں۔ کوئی بھی ہوش مند پہلی صورت کو پسند نہ کرے گا۔ اور یقیناً آپ بھی نہیں۔

اگر جناب مسیح کی اس حالت کے باوجود بھی آپ اُن کی افضلیت کے قائل ہیں۔ تو آپکو کون روک سکتا ہے لیکن فرماتیے کہ اگر کسی کو دنیا میں ذلیل کرنا ہو تو مسیح سے جو سلوک ہوا اس سے بدترین سلوک ہو سکتا ہے۔ آپ انجیل کے بیانات کی موجودگی میں جناب مسیح کو مصلوب

پر جو زور دے رہے ہیں وہ غیر مناسب ہے۔ حقیقت اس قدر ہے کہ جناب مسیح ایک نبی تھے دوسرے انبیاء کی طرح انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جیسا کہ قرآن پاک نے بیان کیا ہے، یہودیوں کے مقابل غالب رہے لیکن آپ کو دیگر انبیاء پر فضیلت دینا نہایت ہی بیہودہ خیال ہے۔

**سوال نمبر ۶** مسیح کا آج تک بجسدِ عنصری آسمان پر رہنا اور حوائج بشری کا باوجود جسم بشری منفک ہونا یعنی خورد و نوش سے فارغ ہونا اور باوجود بشریت الْآنَ کَمَا کَانَ کا مصداق بنے رہنا مسلمات اسلام میں سے ہے۔ برخلاف اس کے دیگر تمام بنی آدم کی نسبت قرآن میں یوں مرقوم ہے فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (سورۃ الاعراف۔ رکوع ۳) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا (سورۃ المرسلات۔ رکوع ۱) یعنی بنی آدم کے واسطے قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ان کا پیدا ہونا اور مرنا اور جینا اور حشر نشر سب کچھ زمین پر ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بشر زمین پر ہی رہ سکتا ہے خواہ وہ رسول ہو یا نبی اگر کوئی شخص بشر کہلا کر بھی زمین پر نہ رہ سکے تو ماننا پڑے گا کہ مقام بنی آدم سے نرالی بشریت رکھتا ہے۔

پھر تمام انبیاء کے حق میں مرقوم ہے وما جعلناهم جسداً لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین (سورۃ انبیاء) یعنی ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکیں۔ پس جو کوئی باوجود جسدِ عنصری کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکے وہ تمام دیگر انبیاء سے نرالا اور افضل ہے۔ ورنہ اس آیتِ قرآن کو غلط ماننا پڑے گا۔ مسیح جو قریباً دو ہزار سال سے بلا خورد و نوش آسمان پر زندہ ہے،

وہ ان رسل وانبیاء میں شمار نہیں کیا جا سکتا جن کی زندگی کا دارومدار کھانے پینے پر ہے جبکہ محمد صاحب ان اوصاف سے بالکل خالی ہیں تو کیا یہ صاف ظاہر نہیں کہ مسیح ان سے افضل و بدرجہا بہتر ہے۔

**جواب** پادری صاحب نے اپنے ابتدائی اصول ترک کر کے، قرآن کو چھوڑ کر "روایات و حکایات" پر مبنی "مسلماتِ اسلام" کا سہارا لیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مسیح بجسدِ عنصری کسی آسمان پر موجود ہیں۔ اس لئے مسیح کا بجسدِ عنصری آسمان پر رہنا "مسلماتِ اسلام" میں سے نہیں؛

تو غلط بنیاد پر یہ نتیجہ ہی غلط ہے کہ جناب مسیح حوائجِ بشری سے آزاد ایک ہی حالت میں دو ہزار سال سے رہ رہے ہیں۔ پھر ایسے علماء بھی ہوتے آئے ہیں جو مسیح کی وفات اور ان کے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے کے منکر تھے۔ دورِ اولیٰ میں معتزلہ اور حضرت امام مالک وفاتِ مسیح کے قائل تھے خود ہمارے زمانے میں سر سید احمد خاں مرحوم، اور ان کے لاتعداد ہم خیال، تمام اہلِ قرآن، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم، مصر کے مفتی محمد عبدہٗ، سید رشید رضا، جامعہ ازہر کے موجودہ سربراہ مولانا محمد شلتوت اور متعدد دیگر علماء وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ اس صورت میں "مسلماتِ اسلام" کا سہارا درست نہیں۔ اور اگر یہ درست نہیں تو پھر الآن کما کان کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اور اگر جناب مسیح کے متعلق "مسلماتِ اسلام" کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی جناب مسیح کی افضلیت کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے مسیح کے متعلق تین باتیں وضاحت سے بیان کی ہیں :-

۱- ما المسیح ابن مریم الا رسول - قد خلت من قبلہ الرسول -
۲- کانا یاکلان الطعام -
۳- یکلم الناس فی المھد وکھلا -
۱- اول تو یہ بتایا ہے کہ جناب مسیح ایک رسول سے زیادہ کچھ نہیں اور آپ سے پہلے بیسیوں رسول ہو گزرے ہیں اور جس طرح وہ رسول قانون قدرت کے زیر اثر تھے، کھانے پینے کے محتاج تھے زندگی کے مختلف مراحل سے گذرے - یہی حال مسیح کا ہے - سرِ مو فرق نہیں - پس خدائی ختم ہو گئی -
۲- دوسرے یہ بتایا کہ جناب مسیح زندگی کی بقاء کے لئے کھانے پینے کے محتاج تھے اور خوراک ہی کے نہیں انسانوں کے بھی محتاج تھے - حتیٰ کہ سفر میں سواری کے لئے گدھے گھوڑے کے بھی حاجت مند تھے اور زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی اس محتاجی سے آزاد نہیں -

۳- تیسرے یہ بیان کیا کہ وہ بچپن اور بڑھاپے میں باتیں کریں گے یعنی دوسرے انسانوں کی طرح ان پر زندگی کے مختلف دور آئیں گے - چنانچہ آپ پیدا ہوئے اور بے بسی سے دوچار ہوئے - بزرگوں کی نگرانی میں پلے - جوان ہوئے اور ادھیڑ عمر کو پہنچے - جب آپ تھوڑی سی عمر میں اس قدر مرحلوں سے گذرے اور تغیرات سے دوچار ہوئے تو یہ فرض کرنا حماقت ہے کہ اس کے بعد آپ کے جسم میں تغیر نہیں آیا - محض اس خیال سے کہ چونکہ اس تبدیلی کو کسی نے دیکھا نہیں - قانون قدرت کے تعطل اور خاتمے کے لئے دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا مثلاً اگر پادری صاحب چالیس

سال کی عمر میں امریکہ چلے گئے اور دوبارہ وطن نہ آئیں تو کیا سمجھ لیا جائے کہ جس حالت میں گئے تھے اس میں تبدیلی نہیں آئی اور کھاتے پیتے بغیر چالیس سال کی حالت میں موجود ہیں۔ پس قرآن کی رُو سے مسیح ہزاروں میں سے بعض ایک رسول تھے جو عمر کے مختصر مراحل سے گذرے اور کھانے پینے کے محتاج تھے۔

پادری صاحب نے "زمین پر پیدا ہونے، جینے اور مرنے کا غلط نتیجہ نکالا ہے اور آج جب کہ انسان اڑھائی لاکھ میل خلاء میں سفر کر کے چاند پر کچھ وقت گزار آیا ہے۔ کسی "آسمان" پر جانا اور انسان کا وہاں ایک مدت تک رہنا حیران کن نہیں اگر انسان ایسے اسباب مہیا کر لے کہ وہ ایک لمبی مدت تک کسی ستارے پر ٹھہر سکے تو قانونِ قدرت اور قرآن کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی حالات حیات انسانی کے لئے سازگار ہوں گے وہ زمین کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس طرح اگر مسیح کسی ایسے مقام پر ہوں جہاں کی آب و ہوا، گرمی سردی اور ضروریاتِ زندگی ہماری زمین کے مطابق ہوں تو زندگی ممکن ہو سکتی ہے اور عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو بچا کر رکھ چھوڑا ہو۔ اور حالات موافق ہونے پر وہاں سے اٹھا کر فرشتوں کی مدد سے کسی مطلوبہ مقام پر اتار دے مگر پادری صاحب ان کی تبدیل شدہ زندگی اور حقیقی تعلیمات کو سُن کر ماننے سے انکار کر دیں۔

ویسے یہ بات مسلمانوں اور مسیحیوں میں مسلّمہ ہے کہ حوا کی بیٹی مریم کے حمل ٹھہرا۔

مریم نے دکھ جھیل کر اسے کس مپرسی کے عالم میں جنا۔ یہ بچہ آہستہ آہستہ لڑکپن میں داخل ہوا پھر جوانی

کی منزل سے ہوتا ہوا کھولت میں داخل ہوا اس تمام عرصے میں مسیح کھانے پینے کا محتاج ہوا اور انجیل کی رو سے تو آپ لوگوں میں "کھاؤ، پیو اور شرابی اور گنہگاروں کے یار" مشہور تھے۔ حتیٰ کہ آپ کسی عورت کے ہاتھوں کھانے سے گریز کرتے تھے (یوحنا ۱۲: ۱-۳) اور انجیل کے مطابق

گویا کہ آپ زندگی کیلئے کھانے پینے کے محتاج تھے اور جسم تغیر پذیر تھا بھلا جو شخص تیس چالیس سال تک ایک حالت پر نہ رہا وہ دو ہزار سال تک کیسے رہ سکتا ہے۔ قرآن تو اس کی تردید ہی کرتا ہے۔ اب تبدیلی کو نوعیت کیا ہے۔ اس کا علم تو ان کی واپسی پر ہی ہوگا البتہ جو خدا انہیں زمین پر رزق دیتا تھا اور اپنی ذمہ داری پر بچا کر لے گیا تھا وہ فاقے مارنے کیلئے تو نہیں لے گا۔ وہاں تمام ضروریات مہیا کی ہوں گی۔ البتہ جہاں ذوق کو دلی کی گلیوں سے محبت تھی وہاں مسیح کو ناصرہ، یروشلم، کفرنحوم اور وہاں کے دوستوں کی یاد پریشان کرتی ہوگی

مسلمانوں کے مسلمات کے مطابق تو دو ہزار سال سے بھی زیادہ طویل عمر ممکن ہے۔ حضرت آدمؑ کوئی ایک ہزار سال زندہ رہے۔ حضرت نوحؑ کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔ عوج بن عنق کا اڑھائی ہزار سال کی عمر میں حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ مسلمانوں کے عقیدے کی رو سے حضرت ادریسؑ حضرت مسیحؑ سے صدیوں پہلے سے زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ ورفعنٰہ مکاناً علیا میں اس طرف اشارہ ہے اور حضرت الیاس ان سے مدتوں پہلے سے زندہ رہ کر خشکی اور تری پر بھولے بھٹکے مسافروں کی رہنمائی میں مصروف ہیں اور تا قیامت رہیں گے اور اس لحاظ

سے حضرت مسیح پر بہت زیادہ فضیلت رکھتے ہیں ۔ ان کی صحت میں فرق نہیں آیا اور حقیقی معنوں میں الان کما کان کے مصداق ہوئے۔ اور آج فرشتوں کے سہارے جانے کی اہمیت جاتی رہی ہے کیونکہ انسان فرشتوں کے بغیر ہی چاند پر پہنچ کر مسیح سے سبقت لے گیا ہے۔"

پھر مسیح کی طویل بے حرکت زندگی کس کام کی۔ اسی طرح انسان کی کارآمد، نفع رساں، تخلیقی مختصر سی حیات ہزار ہا سال کی بے حس حیات سے بدرجہا زیادہ افضل ہے۔ حضرت محمد صلعم اور دیگر انبیاءؑ نے تھوڑا عرصہ رہ کر دنیا میں جو نفع بخش مفید کام کئے ہیں۔ ان سے مسیح کی طویل زندگی کو کیا نسبت۔

مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لیے جئے
زندہ ہے وہ جو مر چکا ہم قوم کے لئے

یہ خیال بھی چنداں حوصلہ افزا نہیں کہ جناب مسیح دوبارہ دنیا میں تشریف لاکر انقلاب برپا کریں گے۔ اول تو قرآن حکیم میں کہیں نہیں لکھا کہ آپ دوبارہ دنیا میں آکر انقلاب پیدا کریں گے۔ اور روایات و حکایات کا پادری صاحب کی نظر میں ذکر فضول ہے۔ دوسرے جب آپ جوانی کے عالم میں اپنے ہم قوم چند لاکھ یہودیوں کی اصلاح سے قاصر رہے تو دو ہزار سال کی عمر میں دنیا بھر کے اربوں انسانوں کا کیا سنوار سکیں گے۔ ہمارے لئے تو نبی اکرمؐ اور آپ کے خادم ہی کافی ہیں جو کہ ہر لحاظ سے آپ کے مسیح پر فضیلت رکھتے ہیں۔

| سوال نمبر ۷ | مسیح کا مردوں کو زندہ کرنا اہل اسلام نے لفظ روئے قرآن تسلیم کیا ہے اور احیائے موتیٰ بشری طاقت سے بالاتر |
|---|---|

اور فقط الوہیت سے مخصوص ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے ھو الذی یحیی ویمیت (سورۃ المومنون۔ رکوع ۵) یعنی وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ خدا کسی کو اپنی صفات مخصوصہ میں شریک نہیں کرتا۔ جیسا کہ لا یشرک فی حکمہ احد۔ (سورۃ الکہف رکوع ۴) سے صاف ظاہر ہے۔ پس خاصہ الوہیت میں سوائے مسیح کوئی دوسرا البشر شریک نہیں۔ کیا محمد صاحب نے کبھی مردہ زندہ کیا۔ کیا ان حقائق سے اظہر من الشمس نہیں کہ مسیح محمد صاحب سے افضل ہیں۔

**جواب** یہ اعتراض بھی قرآن حکیم کی تعلیمات اور محاورہ سے عدم واقفیت پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ انجیلی تعلیمات سے بھی بے خبری پر مبنی ہے۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں انسانوں کو گناہوں سے پاک کر کے نیکی کی راہ پر ڈالنے آتے رہے اور ان کی غرض و غایت جسمانی مردوں کی بجائے روحانی مُردوں کو زندہ کرنا تھی۔ اگر جسمانی مردوں کو زندہ کرنا بھی انبیاء کے دائرہ اختیار کا رہین ہوتا تو نہ تو ان کا کوئی عزیز فوت ہوتا اور نہ وہ خود فوت ہوتے اور یہی بات ہمیں انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ حضرت مسیح اپنے شاگردوں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شاگرد نے اجازت چاہی کہ وہ اپنے مُردہ باپ کو دفن کر آئے اس پر آپ نے فرمایا۔ چھوڑو۔

"مُردوں کو اپنے مُردے دفن کرنے دو" (متی ۸ : ۲۲)

اس جملے میں "مردوں" سے مراد روحانی مُردے ہیں۔ ورنہ مُردے کب مردوں کو دفن کیا کرتے ہیں۔ اور اگر مسیح میں جسمانی مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت ہوتی تو وہ مُردے کو زندہ کر کے اپنے چاہیتے شاگرد کے

غم کو مسرت میں بدل دیتے اور لوگوں پر اپنی قدرت کا سکہ بٹھاتے ۔
۱۔ وہ جسم کے اعتبار سے مارا گیا اور روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا۔ (۱۔پطرس ۳: ۱۸)۔
۲۔ میں تیرے کاموں کو جانتا ہوں کہ تو زندہ کہلاتا ہے۔ اور ہے مردہ۔ (مکاشفہ یوحنا ۳: ۱)۔
۴۔ جو کوئی کسی گنہگار کو اس کی گمراہی سے پھیر لائے گا وہ ایک جان کو موت سے بچائے گا۔ (یعقوب کا عام خط ۵: ۲۰)۔
۵۔ خواہش حاملہ ہوکر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے"۔ (ایضاً۔ ۱: ۱۵)۔
۶۔ اور میں نے تمہیں بھی زندہ کیا۔ جب اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب مردہ تھے"۔ (افسیوں ۲: ۱)۔
۷۔ ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی"۔ (رومیوں ۶: ۱۲)۔

جناب پادری صاحب! اگر حضرت مسیح میں مُردے سے زندہ کرنے کی ذاتی صلاحیت ہوتی تو پھر حضرت زکریا اور ان کی بیوی الیشبع زندہ رہتے، حضرت مسیح کو بپتسمہ دینے والے روحانی مرشد حضرت یوحنا اول تو قتل ہی نہ ہوتے ورنہ جناب کی مسیحا نفسی سے زندہ ہوجاتے۔ اپنے شاگرد کے باپ کو دفن نہ ہونے دیتے خود تین دن مرے رہ کر اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں لعنتی نہ بنتے اور یوسف آرمیتہ کے ممنون احسان نہ ہوتے۔ ان واقعات سے بھی واضح ہے کہ جناب مسیح میں مردوں کے زندہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ ہاں آپ نے لوگوں کو راہ ہدایت بتائی اور گناہ جل

کی موت سے نجات دلا کر نئی زندگی بخشی اور ایک نبی کا یہی حقیقی کمال ہے۔ خود
قرآن حکیم میں روحانی زندگی کا ذکر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے
اللہ تعالیٰ نے دِلوں کی مردہ زمین کو ایمان کے زندگی بخش پانی سے نئی زندگی
عطا کی۔ جیسا کہ فرمایا۔ ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا۔ اللہ تعالیٰ مردہ
زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ زمین انسان کی طرح کب مرتی ہے۔ صرف اس کی
قوتیں دب چکی ہوتی ہیں۔ لیکن جب بارانِ رحمت ہوتی ہے تو اھتزت
وربت۔ اس میں بھی زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس قسم کی روئیدگی اسے
ڈھانپ لیتی ہے۔ اس طرح دلوں کی مردہ زمین پر جب آسمانی وحی کی بارش
ہوتی ہے تو انسان ایمان میں ترقی کر کے اخلاقی و روحانی بلندیوں پر جا پہنچتا
ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسولِ
اذا دعاکم لما یحییکم (۸: ۲۴) اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری
کرو جبکہ تمہیں زندہ کرے۔ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ حضرت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا ایمان ہے کہ
یہاں مراد روحانی زندگی ہے۔ اگر جسمانی زندگی مراد ہوتی تو انبیاء کے زمانے میں
دنیا بوڑھے کھوسٹوں سے بھر جاتی۔ جو دعائیں دینے کی بجائے بد دعائیں
دیتے کیوں کہ زندگی کے ایک مرحلے پر انسان موت کو حیات پر ترجیح دیتا ہے
اسی حقیقت کو ایک تمثیل سے بھی واضح کیا ہے اَوَ مَن کانَ میتاً فاحییناہ
وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہٗ فی ظلمٰت لیس
بخارج منھا (۶: ۱۲۳) "کیا وہ جو مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کیا
اور ایک نور عطا کر دیا ہے۔ جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس
شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو تاریکی میں ہے اور اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

پس اگر جناب مسیح کا دعویٰ احیی الموتیٰ (میں مُردوں کو زندہ کرتا ہُوں) جسمانی
مردوں کے متعلق ہے تو فما تجیبکم کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار مُردے زندہ کئے اور مراد ہر دو جگہ روحانی
زندگی ہے تو پادری صاحب کا خیال لغو ہے۔

پھر اگر مسیح نے کوئی مُردہ زندہ کیا تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں۔
دوسروں نے بھی یہ کام کیا۔

۱۔ یافا میں پطرس رسول کی تبیتا نامی چیلی مر گئی تو پطرس نے اسے زندہ کر دیا
(اعمال ۹ : ۴۰)۔

۲۔ اور ایسا ہوا کہ جب وہ ایک آدمی کو دفن کر رہے تھے تو ان کو ایک
جتھا نظر پڑا سو انہوں نے اس شخص کو الیشع کی قبر میں ڈال دیا اور
وہ شخص الیشع کی ہڈیوں سے ٹکراتے ہی جی اٹھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا
ہو گیا۔ (۲۔ سلاطین ۱۳ : ۲۱)۔

۳۔ حضرت ایلیاؑ ایک بیوہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ اتفاقاً بیوہ کا لڑکا
مر گیا۔ حضرت ایلیاؑ نے ترس کھا کر دعا کی تو لڑکا پھر زندہ ہو گیا۔
(۱۔ سلاطین ۱۷ : ۲۲ - ۲۳)۔

۴۔ ایک عورت کا بچہ فوت ہو گیا الیشع نبی اس کے گھر گئے "اس بچے
پر لیٹ گئے اور اس کے منہ پر اپنا منہ، اور اس کی آنکھوں پر
اپنی آنکھیں اور اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ لئے اور اس
اوپر پسر گئے۔ تب اس بچے کا جسم گرم ہونے لگا۔ تب وہ اٹھ کر
ایک بار اس گھر میں ٹہلے اور اوپر چڑھ کر اس بچے پر پسر گئے اور
وہ بچہ سات بار چھینکا اور زندہ ہو کر آنکھیں کھول دیں" (۲ سلاطین ۴

د۔ حزقیل نبی ہڈیوں سے بھری ہوئی وادی میں گئے۔ وہاں خداوند کے حکم کے مطابق نبوت کی۔ تو شور کیا، زلزلہ آیا اور ہڈیاں آپس میں مل گئیں۔ نسیں اور گوشت ان پر چڑھ آئے اور ان پر چمڑے کی پوشش ہو گئی۔ پھر حکم کے مطابق نبوت کی تو ان میں دم آیا اور وہ زندہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں" (حزقی ایل ۳۷ ب)۔

پس اگر مسیح نے ایک یا دو مردے زندہ کئے اور وہ خدا بن کر دوسرے انبیاءؑ سے افضل ہو گئے تو جن انبیاء نے بے شمار مردے زندہ کئے وہ تو جناب مسیح سے بدرجہا افضل ٹھہرے۔ قرآن نے تو نمرود کا یہ دعویٰ بھی بلا تردید شائع کیا ہے کہ انا احیی و امیت کہ میں مارتا بھی ہوں اور زندہ بھی کرتا ہوں۔ اس طرح تو نمرود مسیح پر سبقت لے گیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے لعاب ... کی رُو سے بے شمار مردوں کو زندہ کیا تو پھر کون ہے۔ اور یہ واقعہ تو یاد ہی ہوگا جب صحابہ نے بھی ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو چند اصحابؓ سمیت کھانے کی دعوت دی۔ اتفاق سے ان کے دو صاحبزادے حادثہ کا شکار ہو گئے لیکن حضرت جابرؓ نے لاشوں کو ایک طرف ڈھانپ چھوڑا کہ دعوت خراب نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے۔ کھانا سامنے رکھا گیا تو آپ نے بچوں کو بھی بلانے کا حکم دیا۔ حضرت جابرؓ نے مجبور ہو کر ماجرا کہہ سنایا۔ آنحضرت ﷺ بچوں کی چارپائی کے قریب تشریف لے گئے۔ دم کیا بچے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ مسیحؑ نے کسی شخص کو فوت ہو جانے کے بعد زندہ کیا تو وہ خود کہتے ہیں احی الموتیٰ باذن اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ اگر یہ خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے تو مسیح

کا اس میں کیا کمال ہُوا۔ قرآن حکیم نے سورۃ بقرہ میں تین حیرت انگیز واقعات
بیان کئے ہیں۔

۱۔ خدا نے تو حضرت عزیر علیہ السّلام کے ساتھ اس سے بھی عظیم کمال
دکھایا۔ چنانچہ آپ سو سال تک سوئے رہے اور آپ میں کوئی تبدیلی
نہ آئی۔ کھانا سو سال تک پاس پڑا رہا لیکن جوں کا توں پڑا رہا۔ آپ کا
گدھا مر چکا تھا قدرت الٰہی سے اس کی ہڈیاں جڑ گئیں۔ ان پر گوشت
چڑھ گیا اور وہ زندہ ہو گیا۔ کیا یہ مسیح کا معجزہ سے بڑا نہ ہُوا؟

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے ان کے ٹکڑے
ٹکڑے کر دیئے۔ پھر تھوڑے تھوڑے چار پہاڑوں پر رکھ دیئے
پھر ان کو آواز دی تو چاروں پرندے زندہ ہو کر آپ کے پاس اڑ
کر آ گئے۔ کیا یہ مردہ زندہ کرنے سے بڑھ کر معجزہ نہیں؟

۳۔ بنی اسرائیل میں ایک آدمی قتل ہو گیا۔ قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا۔ اس
وقت ایک بیل ذبح کیا گیا۔ اور اس کا ایک ٹکڑا لاش پر مارا گیا۔ اس
پر مردہ زندہ ہو گیا۔ اور اس نے قاتل کا نام پتہ بتایا۔ کیا ایک
بیل مسیح سے بڑا نہ ٹھہرا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اذنِ الٰہی سے اژدہا بن گیا اور
جادوگروں کی رسیوں کو نگل گیا کیا یہ کوئی کم قدرت ہے؟ حضرت ابراہیم
ہوئی آگ سے زندہ نکلے، حضرت نوح کی دعا سے طوفان آیا جس سے
غرق ہو گئی اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت سلامت رہے۔ پس اس کی
قسم کے دوسرے واقعات اگر اللہ کے اذن سے ہوں تو پھر یہ خدا
بندہ ہوتا ہے۔ پس مسیح کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کا دعویٰ

عربی زبان میں "خلق" کے معنی التقدیر المستقیم ہیں یعنی صحیح اندازہ اور اس کا استعمال دو طرح پر ہے۔ اوّل۔ ابداع الشیئ من اصل بلا احتذاء۔ یعنی کسی چیز کا بالکل نیا وجود میں لانا جس کی نہ کوئی اصل ہو اور نہ کوئی نمونہ۔ یعنی نیست سے ہست یا عدم سے وجود میں لانا۔ جیسے قرآن شریف میں فرمایا بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جس سے عیاں ہے کہ وہ خلق ہے جو بغیر مادہ یا آلہ کے ہے اور دوسرے ایک چیز سے دوسری چیز کے وجود میں لانے پر بھی۔ یہ الفاظ بولا جاتا ہے۔ جیسے خلق الانسان من نطفۃ۔ انسان نطفہ سے بنایا گیا۔ یعنی ایک موجود شے سے دوسری شے تخلیق کی گئی اور وہ خلق جو ابداع کے معنوں میں ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے پس لفظ خلق کا استعمال زبان عرب میں دو طرح پر ہے۔ نیست سے ہست کرنا اور ایک چیز سے دوسری چیز بنانا۔

بدیع ہونے کے لحاظ سے خدا کا خلق میں کوئی شریک نہیں۔ ایک شے سے دوسری شے بنانے کے لحاظ سے۔ خدا کی دی ہوئی فطرت کے تحت مختلف حیوان اور بالخصوص انسان اس صفت میں مشابہت رکھتے ہیں۔ گو مخلوق کی تخلیق کو خدا کی تخلیق سے کوئی نسبت نہیں تاہم پرند چرندوں اور انسانوں میں مادہ تخلیق موجود ہے اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں وہ بھی خدا کی دی ہوئی فطرت کا نادر نمونہ ہے۔ شہد کی مکھی کا شہد تیار کرنا، بعض پرندوں کا انتہائی خوبصورت گھونسلا تعمیر کرنا، مکڑی کا جالا اور اسی قسم کی دیگر اشیاء دوسری قسم کی تخلیق میں شامل ہیں اور انسان تو اس تخلیقی استعداد اور کام میں سب پر سبقت لے گیا ہے اور اس نے جو تحقیقات کی ہیں آج ان کے سامنے مسیح کی [illegible]

بھی بولی چڑیاں چنداں وقعت نہیں رکھتیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانے میں
وہ بے نظیر ہوں۔ لیکن آج ان کا بطور معجزہ پیش کرنا خاص اہمیت نہیں رکھتا
اور اس تخلیقی صلاحیت کے باوجود جناب دوسری قسم کی تخلیق میں شامل ہیں۔
اس لیے آپ سے الوہیت کی صفات منسوب کرنا گمراہی ہے۔ آپ دوسری
قسم کی تخلیق کر کے محض تمام مخلوق میں شامل ہیں۔ اگر جناب مسیح نے مٹی لے کر
پرندے کی صورت بنائی اور پھر اسے چند قدم اڑا کر دکھا دیا۔ تو آج انسان
اپنے ہاتھ سے درزی مشینیں، بحری و فضائی جہاز، خلائی سیارے، ریڈیو
ٹیلی وژن وغیرہ بناتا ہے۔ پھر ان میں گیس، بھاپ، بجلی یا ایٹمی توانائی
کے ذریعے حرکت میں لے آتا ہے اور آج ہم اسی کی تخلیقات کی بدولت
ایک طرف دنیا بھر میں اڑتے پھرتے ہیں۔ فضائی لہروں کی مدد سے ہزاروں
میلوں سے خبریں سنتے اور تصاویر دیکھتے ہیں تو دوسری طرف انسان
نطفوں سے [illegible] پیدا کیا ہے اور یہ سب کچھ اذن
قدرت سے [illegible] استعدادیں اور ان استعدادوں سے
کام لینے کے اسباب [illegible] تخلیق ہیں۔ اور جس طرح نفخت فیه
من روحی [illegible] سے مراد نہیں کہ خدا کسی رحم میں وہاں
پھونک مارتا ہے بلکہ مراد محض اپنی قدرت سے روح کا ڈالنا ہے اسی
طرح مسیح کا مٹی کے پرندے میں یا کسی موجد کا کسی تخلیق میں منہ سے پھونکنا
مراد نہیں بلکہ مراد محض جان ڈالنا ہے۔

دنیا میں تمام لذت، ایجاد اور صلاحیت تخلیق کا ثمر ہے اور یہ لفظ
ہمارے علم و ادب میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ تخلیقی افسانے، تخلیقی
شاعری، تخلیقی فن، روزمرہ کا محاورہ ہے۔ قرآن حکیم میں تخلقون افکا

(تم بہتان تخلیق کرتے ہو) کے الفاظ میں جھوٹ کے لئے تخلیق کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اگر پادری صاحب کی منطق مان لی جائے تو جھوٹ بنانے والا بھی جناب مسیح کا ہم پلہ اور خالق ہوا، لیکن یہ تخلیقات دوسری قسم میں شامل ہیں اور مسیح مٹی کا پرندہ بنا کر مستغنی نہیں ہو گئے۔

مسیحیوں کے ہاں بھی یہ بات مسلم ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ ناک، کان، آنکھ، منہ، ہونٹ، سر، دھڑ اور ٹانگوں وغیرہ کے لحاظ سے انسان سے مشابہت رکھتا ہے مثلاً خدا انتہائی رحم کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا، شفقت والا ہے تو انسان میں بھی ان صفات کی جھلک ملتی ہے۔ اسی طرح اگر خدا خالق ہے تو انسان نے خدا کی عطا کردہ قدرت سے لکھوکھا اشیاء تخلیق کی ہیں لیکن اس کے باوجود انسان خدا کی صفات میں شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے۔ چہ جائیکہ انسان خدا کے اذن سے مٹی کا پرندہ بنا کر اسے چند قدم حرکت میں لے آئے اور خدائی میں شریک بن بیٹھے۔

خود قرآن نے بعض خدائی صفات کو بندوں سے منسوب کیا ہے۔ ان کا اصل مصداق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تاہم انسان چونکہ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہے اس لئے انسانی افعال اور ایجادات میں صفاتِ الٰہی کی قدرے جھلک ملتی ہے اس لئے انہیں انسان کا بھی خاصہ ٹھہرایا گیا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ لیں بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو تمام خالقوں میں بہتر ہے اب اسلام کی رُو سے اللہ واحد لا شریک ہے لیکن اسے بہت سے خالقوں میں سے ایک ٹھہرایا گیا ہے یہاں بھی خالق ہونے کی دوسری صورت مراد ہے جس میں خدا کے حکم سے دوسری تخلیق

بھی شریک ہے۔ قرآن حکیم میں رب یعنی پالنے والا حقیقی طور پر تو اللہ ہی ہے
لیکن ماں باپ کی محبت میں اولاد کے حق میں خدائی ربوبیت کا عکس ملتا ہے
اسی لئے اولاد کو یہ دعا مانگنے کی تلقین کی گئی ہے رب ارحمھما کما ربیانی
صغیرا۔ خدایا جس طرح میرے ماں باپ نے میری کمسنی میں میری ربوبیت
کی تو بھی ان پر رحم فرما۔ یہی لفظ عزیز مصر کے متعلق حضرت یوسفؑ نے
استعمال کیا۔ چنانچہ عزیز مصر کا جب قاصد بندی خانے میں پیغام لے کر
پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا ارجع الی ربک اپنے رب کے پاس
لوٹ جا۔ حضرت یوسفؑ کو بھی علم تھا کہ حقیقی رب تو اللہ کی ذات ہے
لیکن محض اس وجہ سے کہ قاصد کے رزق اور پرورش کا وسیلہ حاکم مصر
تھا اس [illegible] کی بنا پر اسے رب کہہ دیا۔ رحیم و رحمٰن بھی ذاتی خدا
[illegible] صفت رحمت کی وجہ سے حضور صلعم کو رحمۃ للعالمین
کا لقب [illegible] قرآن میں آپ کو رؤف و رحیم بھی کہا ہے اسی
طرح [illegible] خیر الراحمین۔ سب رحم کرنے والوں سے
زیادہ بہتر رحم کرنے والا خیر الرازقین۔ سب رازقوں سے بہتر رازق
[illegible] قرآن میں [illegible] سے یہ مراد نہیں کہ ان صفات میں خدا کے
[illegible] شریک ہیں۔ [illegible] حقیقی نہیں۔ دیگر مخلوق کی طرح ان میں
بھی کسی قدر تخلیقی مادہ موجود ہے اس سے وہ اس لحاظ سے کسی انسان
سے بڑے نہیں ہو جاتے کہ نبی اکرم صلعم سے بڑے قرار دئے جائیں جن
تخلیقی صلاحیتوں نے زندگی کے ہر شعبے میں مشاہیر عالم سے خراج
تحسین وصول کیا ہے۔

پھر قرآن حکیم پر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو دوسرے لوگوں کے

ایسے کارنامے ملتے ہیں جو پرندے بنانے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں:۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص سامری نے بنی اسرائیل سے زیورات لئے اور ان سے مسیح کے مٹی کے پرندوں سے زیادہ خوبصورت بچھڑا تیار کیا جو ہو بہو گائے کی طرح آواز نکالتا تھا (عجلاً جسداً له خوار) اسرائیل اس کی بناوٹ اور خواص سے اس قدر متاثر ہوئے کہ خدا کو چھوڑ کر اسے معبود مان لیا جب کہ مسیح کی چڑیوں کو دیکھ کر ایک بھی شخص ایمان نہ لایا۔ اب بتایئے دونوں میں سے کس کی تخلیق عظیم ہوئی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک عصا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ کمال تھا کہ جب آپ اسے زمین پر ڈالتے تو وہ حسب ضرورت سانپ بن جاتا اور دوڑنے لگتا۔ فرعون نے مقابلے میں جادوگروں کو بلایا۔ ان جادوگروں میں یہ کمال تھا کہ انہوں نے رسیاں زمین پر پھینکیں تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگیں۔ ان کی یہ تخلیق مسیح کی چڑیوں سے زیادہ اثر انگیز تھی کیونکہ انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ کو بھی خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ کفر کی طرف نہ جھک جائیں مگر آپ نے حکم الٰہی سے عصا زمین پر ڈالا تو وہ سب کے سامنے تمام سانپوں کو نگل گیا اور جب موسیٰ نے اسے پکڑا تو وہ عصا بن گیا۔ رسیاں غائب ہی رہیں مگر اس کی تخلیق میں فرق نہ آیا اور اسی بات سے جادوگر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے
آپ جس قدر بھی غور کریں گے اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضرت موسیٰ اور جادوگروں کا یہ کارنامہ فن اور اثر کے لحاظ سے جناب مسیح سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ اب بتایئے کہ ان حالات میں مسیح کے معجزے کو [illegible]

عظمت کی بنیاد کس طرح بنایا جا سکتا ہے -

۲- بنی اسرائیل مصر سے فرار ہوئے - فرعون نے تعاقب کیا - اس وقت خطرے کی شدت کو محسوس کر کے حضرت موسیٰ نے سمندر پر عصا مارا، پانی پھٹ کر راستے بن گئے - اسرائیل گذر گئے - فرعون وہاں پہنچا تو پانی مل گیا اور وہ لشکر سمیت ڈوب مرا -

۳- بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت محسوس ہوئی - حضرت موسیٰ نے عصا ایک پتھر پر مارا - وہ ٹوٹ گیا اور اس میں بارہ چشمے پھوٹے - کیا یہ مسیح سے بڑھ کر نشانی نہیں ؟

پھر ہمارے زمانے میں جو کھلونے بن رہے ہیں وہ اپنی ساخت اور بناوٹ کے لحاظ سے [illegible] کاری گری کا نمونہ ہیں اور اگر آج وہی معجزہ [illegible] نہیں دیں گے - اس لئے اس معجزے کی بنا پر [illegible] دوسرے انبیاء سے بھی افضل نہیں قرار دیتے - خصوصاً جب مسیح کہتے ہیں کہ میں خدا کے حکم سے ایسا کرتا ہوں پھر انجیل مسیح کے اس دعوے کی بھی تردید کرتی نظر نہیں آتی - اس لئے پادری قرآن کے ان الفاظ پر بغلیں بجانے کا کوئی حق نہیں رکھتے -

فضیلت کا یہ اصول ویسے ہی غلط ہے کہ کسی شخص میں دوسرے کے مقابل ایک خوبی پائی جاتی ہے ہو سکتا ہے کہ دوسرے شخص میں اس کے مقابل ایک سے زیادہ بڑھ کر خوبیاں پائی جاتی ہوں - دنیا میں کیوں نہیں کروڑوں انسان ایسے ہو سکتے ہیں جو بعض صلاحیتوں میں مسیح پر فضیلت رکھتے ہوں - اصل خوبی یہی ہے کہ کسی شخص نے اپنے مقصد میں کس حد تک کامیابی حاصل کی اور اس کی ذات سے دنیا کے

لوگوں کو کس قدر فائدہ پہنچا۔ گر یہ نہیں تو بابا باقی کہانیاں ہیں۔

**سوال نمبر ۹** اندھوں کو بینائی اور بہروں کو شنوائی عطا کرنا اور مریض کو شفا بخشنا بھی قرآن نے مسیح کے اقتداری نشانات و معجزات میں تسلیم کر لیا ہے۔ اگر محمد صاحب نے کبھی کوئی ایسا معجزہ دکھایا ہو تو کوئی قرآن سے ثابت کرے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ مسیح ان سے بدرجہا افضل ہے۔

**جواب** جناب مسیح کی فضیلت کا یہ سہارا بھی نہایت کمزور ہے۔ مختلف انبیاء مختلف زمانوں اور اقوام میں اصلاح و ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی ہستی اور ان کی صداقت کے اظہار کے لئے حسب حال نشانات بھی عطا کئے۔ اور انبیاء بھی ایسی صلاحیتیں بھی رکھ دیں جن کی بدولت وہ اپنے زمانوں میں مخالفین پر غالب آئے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے عصا میں یہ خوبی تھی کہ وہ جادوگروں کے جادو کے زور سے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل گیا۔ عصا کی ضرب سے سمندر پھٹ گیا اور چٹان پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اسی طرح حضرت مسیح کے زمانے میں حکمت کا زور تھا۔ اس زمانے کے اکثر لوگ جھاڑ پھونک سے امراض دور کرتے تھے۔ آپ میں بھی یہ وصف رکھ دیا گیا اور یہ محض فضل الٰہی تھا ورنہ حضرت موسیٰ کے عصا میں کوئی ذاتی خوبی تھی اور نہ مسیح کی پھونک میں جادو تھا۔ یہ سب کچھ حکم الٰہی سے ہوتا تھا۔ اور آج بھی ہر جگہ عامل جھاڑ پھونک، تعویذوں اور ٹونے ٹوٹکوں سے شفا بخشتے ہیں اور بہت سے امراض مسمریزم، ہپناٹزم اور نفسیاتی اثر ڈالنے سے جاتے رہتے ہیں اور آج تو میڈیکل سائنس نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ دل، پھیپھڑوں اور دیگر اعضا کو تبدیل کرنے لگے ہیں گویا کہ حیات نو بخشتے

میں اندھوں کو اپریشن کے ذریعے بینا بنا دیا جاتا ہے اور جس سُرعت سے طبی دنیا ترقی کر رہی ہے اگر خود جناب مسیح دنیا میں تشریف لائیں، تو حیرت زدہ رہ جائیں۔

حضرت مسیحؑ کے اپنے زمانے میں بھی شفا بخشنا عام تھا۔ آپ خود اپنے شاگردوں کو بھی یہ طاقت بخشنے کا دعوے کیا اور شاگرد بھی مسیحؑ کی توجہ سے شفا بخشتے تھے تو مسیحؑ نے خدا کے اذن سے اگر یہ کام سرانجام دے لیا تو کیا معجزہ ہو گیا۔ آج ہزاروں نوجوان پرانے ڈاکٹروں سے علم حاصل کرکے بعض اوقات ان سے بھی سبقت لے جاتے ہیں۔

پھر جناب مسیح کے زمانے میں آپ کے زمانے والے بھی ایسی بیماریوں [illegible] ثابت ہے۔

**[illegible]**

جناب مسیح نے مخالفین کے الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا "اگر میں بعلزبول کی مدد سے بدروحیں نکالتا ہوں تو تمہارے بیٹے کس کی مدد سے نکالتے ہیں" - (متی ۱۲: ۲۷)۔

**حوض میں شفا کی قدرت**

یروشلم میں بھیڑ دروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے اور اس کے پانچ برآمدے ہیں۔ ان میں بہت اور اندھے اور لنگڑے اور پژمردہ لوگ (جو پانی کے ہلنے کے منتظر ہو کر پڑے رہتے تھے) کیونکہ وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اتر کر پانی ہلایا کرتا تھا۔ پانی ہلتے ہی جو پہلے اترتا شفا پاتا۔ اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو" (یوحنا ۵: ۲-۴)۔

**جھوٹے میں یہ نشان دکھائینگے**

۴- "اس وقت اگر کوئی تم سے

کہے۔ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں" (متی ۲۴: ۲۳-۲۴)

**۴۔ ہڈیوں کی کرامت** "ایک مردے کو الیشع نبی کی قبر میں ڈالا گیا تو الیشع کی ہڈیوں سے لگتے ہی مردہ زندہ ہو گیا"۔ (۲۔ سلاطین ۱۳: ۲۱)۔

اس قسم کے کئی واقعات بائیبل میں مذکور ہیں جن کی موجودگی میں جناب مسیح کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ اس صورت میں ان کی افضلیت کا دعویٰ کیا ہوا؟ ۔ ان سے تو تالاب، مردے کی ہڈیاں، بیل کا گوشت اور فریسیوں کے چھوکرے بازی لے گئے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے تمام نبی اپنے اپنے زمانوں میں مخالفوں پر اتمام حجت کے لئے معجزات لے کر آئے۔ اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کا عظیم ترین ابدی اور ہمیشہ غالب رہنے والا معجزہ لے کر آئے جس کا چیلنج آج بھی قائم اور تا قیامت قائم رہے گا جس پر دنیا کا ہر انسان طبع آزمائی کر سکتا ہے۔ لاکھوں نے کی ہو گی لیکن چودہ سو سال میں کسی مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوتی اور نہ ہو گی۔

آپ کے زمانے میں عرب فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان پر انتہائی فخر کرتے تھے اور اپنے سوا سب کو عجمی یا گونگا کہتے تھے وہ اپنی جادو بیانی سے اور بدیہہ گوئی سے قبیلوں کی قسمتیں پلٹ دیتے تھے۔ اس قوم کے سامنے قرآن حکیم رکھا گیا کہ اگر تم اسے بشر کا کلام سمجھتے ہو تو اس کلام کے مقابل چند سورتیں یا آیات بنا لاؤ۔ اور اس سلسلے میں سب مل کر کوشش کرو۔

عرب کے بڑے بڑے فصحا خطیب اور شعرا مقابلے میں عاجز رہے۔ ان
میں سے سب سے قرآن سن کر ایمان لے آئے۔ شعراء اور فصحا کے ایک
منتخب گروہ نے تو قرآن کو پڑھ کر ما ھذا الکلام البشر کی سند دے
دی۔ حتیٰ کہ مخالفین نے اس بات کا انتظام کیا کہ کوئی شخص کلام پاک سننے
نہ پائے۔ یہ چیلنج آج بھی دنیا کے سامنے ہے، پادری ہمیشہ مقابلے کی
سعی کرتے رہے ہیں مگر انہیں سوائے نامرادی کے کچھ حاصل نہیں ہوا
اگر چاہیں تو آج بھی قسمت آزمائی کر سکتے ہیں۔ یہ ہے عظمت، یہ ہے معجزہ
یہ ہے حقیقی شفا۔ رہا جناب مسیح کا بیماروں کا تندرست کرنا تو لوگ پہلے
بھی کرتے تھے، ان کے زمانے میں کرتے رہے اور آج تک کرتے چلے آئے ہیں۔
پھر یاد رکھئے کہ مبروص اور اندھوں کو بینائی بخشنے کا آپ نے کسی
کے مقابلے میں معجزہ پیش نہیں کیا تھا بلکہ جیسے دوسرے لوگ بیماری کا
روحانی طریق پر علاج کرتے تھے آپ بھی ایسا کرتے تھے کیوں کہ آپ
کی رائے ہیں "دعا اور روزے سے یہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے"۔
آپ میں بھی یہ قوت دعا اور روزے سے آئی اور اسی طرح دوسروں
میں بھی۔ معجزہ تو وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو عاجز کر دے اور کوئی دوسرا
شخص نہ دکھا سکے۔ پس مسیح کی عظمت کا ڈھنڈورا پیٹنا چنداں قابل
ستائش نہیں۔

## معجزہ شق القمر

قرآن حکیم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک
عدیم النظیر معجزہ پیش کیا ہے چنانچہ قرآن الحکیم
میں مذکور ہے اقتربت الساعة وانشق القمر کافروں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا تو آخر معجزہ دکھانے کا وقت آ گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور کچھ وقفے بعد دونوں ٹکڑے پھر مل گئے اسے کہتے ہیں معجزہ جیسے نہ کوئی پہلے دکھا سکا اور نہ آئندہ دکھا سکے گا۔ مسیحؑ کے معجزے تو اس دور کے عامل، ڈاکٹر، حکیم ماہرین نفسیات دکھاتے پھرتے ہیں۔ ان حالات میں مسیحؑ کو سرورِ کائنات صلعم پر کوئی فضیلت تو در کنار کوئی نسبت ہی نظر نہیں آتی۔

قرآن کی بے نظیری اور شق القمر کے علاوہ اسلامی کتب میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے واضح ہے کہ آنحضرت صلعم پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا۔

۱۔ ہجرت کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے مکہ سے مدینہ کا سفر پیدل کیا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ آں حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے لعاب دہن لگایا تو تکلیف اسی وقت رفع ہو گئی۔

۲۔ جنگِ بدر میں مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے۔ قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ حضور اکرم نے مٹھی بھر کنکر دیئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار کی طرف پھینکے جو تمام کفار کو جا لگے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (جب تو نے کنکر پھینکے وہ درحقیقت تو نے نہیں اللہ نے پھینکے تھے) کے الفاظ اس معجزہ پر شاہد ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حملہ کیا تو کفار کے بہت سے آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۳۔ آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ شریف لے جا رہے تھے۔ راستے

میں بھوک محسوس ہوئی۔ ایک خاتون ام معبد کا خیمہ نظر پڑا، کھانا طلب کیا تو اس نے بے بسی ظاہر کی۔ کونے میں ایک کمزور سی بکری کھڑی تھی آپ نے دوہنے کی اجازت چاہی۔ ام معبد نے عرض کیا کہ بکری خشک ہے، دودھ نہیں دیتی، آپ دیکھ لیں۔ حضور اکرمؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اسے دوہنا شروع کیا۔ سب نے پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ پھر ام معبد کا برتن بھر گیا تو اسے چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ اس کے برعکس جناب مسیح کو بھوک لگی، انجیر کے ایک درخت کی طرف گئے، دیکھا تو پھل نہ تھا۔ آپ نے یہ معجزہ دکھایا کہ اسے ہمیشہ کے لیے خشک کر دیا۔ خود بھی بھوکے رہے اور بے چارے مالک کو ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔

۲۔ ایک سفر میں پانی کی مشکل پیش آئی۔ تلاش کے بعد اصحاب نے دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر پانی کی مشک لادے چلی جا رہی ہے۔ اسے حضورِ اکرم کے پاس لے آئے۔ آپ نے مشک اُتروائی۔ منہ کھولا ہاتھ آگے رکھ دیا پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ تمام لوگوں نے پانی پیا، مویشیوں کو پلایا۔ وضو کیا اور ضرورت کے مطابق بھر لیا لیکن مشک بدستور بھری تھی چنانچہ آپ نے خاتون کو مشک اور تحفے تحائف دے کر رخصت کیا اس پر وہ عورت قبیلے سمیت ایمان لے آئی۔

پھر اس امت مسلمہ میں لاکھوں ایسے اہل اللہ ہو گزرے ہیں جنہوں نے ہر دور میں خدائی قدرت کے نشانات پیش کر کے حضور اکرمؐ کی عظمت پر گواہی دی۔ پس جناب مسیح میں کوئی فوق الفطرت طاقت نہ تھی اور نہ ہی آپ کو دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت حاصل تھی۔

---

## روحانی مریض

انبیاء کی بعثت کا مقصد جسمانی مریضوں کو صحت بخشنا نہیں ہوتا۔ یہ کام تو دنیا کے تمام اطبا اور تجربہ کار لوگ کرتے ہی رہتے ہیں اور آج دنیا بھر میں چپے چپے پر ہسپتال، بہترین ڈاکٹر اور تحقیقاتی ادارے اس پر شاہد ہیں۔ البتہ روحانی امراض کا علاج انبیاء اور اولیاء کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ خود قرآن حکیم کو شفالما فی الصدور (دل کی روحانی امراض کے لئے شفا) کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے کفار کے متعلق کہا ہے فی قلوبھم مرض۔ ان کے قلوب مریض ہیں ان کی اسی قسم کی بیماری کا ذکر کرکے فرمایا ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ (اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں) دوسری جگہ بتایا صم بکم عمی (البقرۃ) کہ حق کے مخالف بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ کفار عرب جسمانی طور پر نہیں روحانی لحاظ سے مریض تھے فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور (الحج) ان کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ اندھے وہ دل ہیں جو سینوں میں ہیں۔ انجیل میں بھی یہودیوں کے متعلق جناب مسیح نے فرمایا "چونکہ اس قوم کا دل موٹا اور وہ اپنے کانوں سے اونچا سنتے ہیں اور انہوں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنیں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں انہیں چنگا کروں۔ (متی ۱۳:۱۵)
اسی بات کو ایک اور مقام پر بھی بیان کیا ہے جب یوحنا کے شاگرد جناب مسیح سے دریافت کرنے آئے کہ آپ وہی مسیح ہیں جن کا انتظار ہے تو یسوع نے جواب میں انہیں کہا کہ جو کچھ تم سنتے اور دیکھتے ہو کر۔ جاکے یوحنا سے بیان کرو کہ اندھے دیکھتے ہیں اور لنگڑے چلتے کوڑھی پاک صاف

ہوتے اور بہرے سنتے اور مردے جی اٹھتے ہیں اور غریبوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے"۔(متی ۱۱: ۳-۵)۔ یہ الفاظ روحانی امراض کی طرف اشارہ کرتے ہیں چنانچہ آخری فقرہ میں غریبوں سے مراد مالی لحاظ سے غریب نہیں بلکہ دل کے غریب مراد ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر جناب مسیحؑ نے دل کے غریبوں کو خدا کی بادشاہت میں داخلے کی خوشخبری دی ہے۔

میں اپنے پادری دوستوں سے درخواست کروں گا کہ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا قصہ چھوڑ دیں۔ یہ سب دنیا میں حق کی اشاعت اور نیکی پھیلانے کے لئے بھیجے گئے۔ انہوں نے بدکاروں کو نیکوکار بنایا، مردہ دل دنیا پرستوں کو نئی زندگی بخشی۔ ان کے قلبی امراض دور کئے اور ہر قسم کی اخلاقی خرابیوں سے نجات دلا کر خدا کا مقرب بنا دیا۔ البتہ حضرت نبی کریمؐ نے اپنی بعثت کی حکمت اور بے نظیر کامیابی کے پیش نظر ایک بلند [illegible] آپ نے ایک طرف انبیائے سابق کی طرف منسوب کردہ خرابیوں کی تردید کی۔ پہلے دینوں کے غلط عقائد کی اصلاح فرمائی اور دوسری طرف اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک کرکے ایسا مطہر و مقدس بنا دیا [illegible] اس کی نظیر نہیں ملتی۔

**سوال نمبر ۱۰** | قرآن شریف میں ہے کہ مسیح لوگوں کو اپنے گھروں میں جو کچھ رکھتے اور کھاتے پیتے تھے ان کو وہ سب کچھ بتا دیتے تھے۔ یہ صفت عالم الغیب بھی خدا کا خاصہ ہے جس میں صرف مسیح ہی شریک ہے۔ محمد صاحب اس سے بالکل بے بہرہ تھے۔ پس صاف عیاں ہے کہ اس لحاظ سے بھی مسیح محمد صاحب سے افضل ہے"۔

**جواب** | اس سوال کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ لعنت اللہ علی الکاذبین

جھوٹے پر خدا کی لعنت - قرآن حکیم میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ مسیح غیب کا علم رکھتے تھے اور لوگ گھروں میں جو کچھ کرتے اور کھاتے پیتے تھے ان کو سب کچھ بتا دیا کرتے تھے - پادری صاحب جانتے ہیں کہ عام مسلمان قرآن کا علم نہیں رکھتے اس لئے بڑے سے بڑا جھوٹ چل جائے گا لیکن جھوٹ نہ کبھی پہلے پھلا ہے اور نہ آئندہ پھلے گا - البتہ اس کے برعکس قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسیح سے سوال کرے گا کہ "کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا مان لو تو مسیح جواب دیں گے کہ اگر میں نے یہ کہا تو تجھے یقیناً اس کا علم ہے تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے اور جو کچھ تیرے دل میں ہے میں اسے نہیں جانتا - بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے" (مائدہ - آخری رکوع) -

البتہ قرآن میں جناب مسیح کی ایک پیش گوئی سورہ صف میں درج ہے "عیسیٰ علیہ السلام نے کہا "اے بنی اسرائیل کہ میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں - میں توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمدؐ ہے" - احمد پیغمبر اسلام کا اسم مبارک ہے لیکن مسیحی پادریوں کو آج تک یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ مسیح کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں -

ہاں انجیل کی ایک روایت سے مسیح کے غیب کی تردید ہوتی ہے - ایک بار آپ کو بھوک لگی - بے قرار ہو کر انجیر کے درخت کی طرف لپکے غالباً یہ معلوم نہ تھا کہ پھل کا موسم نہیں یا اس درخت پر پھل نہیں - قریب گئے تو پھل نظر نہ آیا - کھسیانے ہوئے لیکن طیش میں آکر بد دعا دی اور وہ درخت ہمیشہ کے لئے خشک ہو گیا - (مرقس ۱۱ : ۱۲-۱۴) - اس سے

ایک تو مالک کا عظیم نقصان ہُوا حالانکہ وہ بے قصور تھا۔ خلق خدا پھل سے محروم رہ گئی اور خود آپ جناب بھی بھُوکے رہے۔ یہ ہے وہ علم غیب جس پر مسیحی ناز کرتے ہیں اور یہ ہے وہ ذہنی توازن اور اخلاقی بلندی جس کی بنا پر پادری حضرت مسیح علیہ السلام کو دیگر انبیاء اور خلاصہ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دیتے ہیں۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔

**سوال نمبر ۱۱** قرآن میں تمام انبیاء کے گناہوں کا ذکر ہے خصوصاً محمد صاحب کو حکم ملتا ہے کہ استغفر لذنبک یعنی اپنے گناہوں کی معافی مانگ، علاوہ بریں محمد صاحب کی حالت کو یوں بیان کیا ہے :۔ وجدک ضالاً فهدی تجھ کو گمراہ پایا اور تیری ہدایت کی۔ برخلاف اس کے مسیح کی نسبت خدا خوش [illegible] مذکور ہے نہ ان کے استغفار کرنے کی ہدایت ہے بلکہ [illegible] وجیہاً فی الدنیا والاخرۃ مرقوم ہے [illegible] حضرت محمد صاحب سے افضل ہے۔

**جواب** حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں کہیں بھی حکم نہیں ملتا کہ استغفر لذنبک۔ تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔

قرآن حکیم میں یہ الفاظ سورہ مومن میں ملتے ہیں اور اس سے پہلے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے ہاں جاکر تبلیغ کرنے کا حکم ملا تو آپ نے عرض کیا ولھم علی ذنب ان کا ایک قصور میرے ذمہ ہے۔ یعنی میں نے چند سال پہلے ایک شخص کو مکا مارا تو وہ مرگیا۔ اور وہ اس کا انتقام لینگے۔ اسی پر انہیں اس قصور کے بارے میں خدا سے استغفار کرنے کو کہا گیا۔ اور مغفرت کا وعدہ کر کے بلا خوف وخطر فرعون کے ہاں جانے کو کہا گیا۔

**ذنب کا مفہوم** قرآن حکیم کی سورہ فتح میں آنحضرت صلعم کی طرف لفظ

ذنب منسوب کیا گیا جیسا کہ فرمایا "انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" ہم نے تیرے لئے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی تاکہ اللہ ان کوتاہیوں سے تیری حفاظت کرے جو تیرے ذمے پہلے لگائی گئیں اور جو بعد میں لگائی جائیں گی"۔ اس سے پیشتر کہ اس آیت کا مفہوم بتایا جائے۔ ضروری ہے کہ لفظ ذنب اور استغفار دونوں کے معانی پر غور کیا جائے۔ عربی زبان میں ذنب کے معنی پگڑی کا لڑ، جانور کی دُم، چابک کا آخری سرا، پیروکار وغیرہ کے ہیں۔ اس کے معنے گناہ کے ہرگز نہیں۔ ہاں استعارہ کے طور پر اس کے معنی قصور، خطا، کوتاہی زیادتی اور گناہ کے کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے موقع محل اور قرینہ پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ کا قول "ولھم علی ذنب" میرے ذمے ان کا ایک قصور ہے۔ گناہ کا مفہوم ظاہر نہیں کرتا گناہ تو کوئی خدا کے کسی حکم کی جان بوجھ کر خلاف ورزی کا نام ہے۔ قرآن کی اصلاح میں بھول سے نادانستہ اور بلا ارادہ کوئی خطا ہو جائے تو گناہ نہیں ہوتا۔ حضرت موسےٰ کا ذنب، بھی ایک نادانستہ فعل تھا۔ آپ نے ایک ظالم کو مُکا مارا جس سے وہ مر گیا۔ حالانکہ آپ کی نیت قتل کی نہ تھی۔ اس لئے یہ گناہ کی تعریف سے خارج ہے تو قرآن حکیم میں آتا ہے "واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت" کہ جب نومولودگی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا تو کس قصور کی بنا پر قتل کی گئی۔ اب ایک نوزائیدہ بچی کی طرف گناہ تو منسوب نہیں کر سکتے۔ صرف اس کے والدین سے یہی سوال ہو گا کہ تو نے کس قصور کی بنا پر اس بچی کو زندہ دفن کر دیا تھا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھید کھل جانے پر باپ سے عرض کیا "یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین" اے ابا ہمارے قصور

معاف کر دیجئے بے شک ہم خطاکار تھے۔ یہاں بھی ذنب سے مراد لغزش ہے گناہ نہیں جیسا کہ برادرانِ یوسف نے باپ کے سامنے خطاکار ہونے کا اعتراف کیا اور باپ نے بھی ذنب کے معنی خطا ہی قبول کئے۔ اسی طرح انہوں نے یوسف کے سامنے بھی یہی کہا لقد آثرک اللّٰہ علینا وان کنا خاطئین تحقیق اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم خطاکار تھے اسی طرح عزیز مصر کی بیوی کو اس کے خاوند نے کہا واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین۔ تو اپنے قصور کی معافی مانگ کیونکہ خطا تیری ہی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک اور مقام آیا " اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اللہ تمام خطائیں معاف کر دیا کرتا ہے۔ اب سورۃ فتح کی آیت کو لیجئے۔ یہاں فتح سے مراد [illegible] جنگ سے ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو کئی خونریز لڑائیوں کے بعد فتح کی خوشخبری دی گئی اور فرمایا کہ فتح اس لئے دی گئی کہ آپ کے پچھلے اور آئندہ ذنب معاف کر دیئے جائیں اور اس کا مقصد اسی قدر ہے کہ جنگوں میں آپ کے لشکر کی طرف سے جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی ان کے اثرات کو ختم کر دیا جائے اور آئندہ خطاؤں سے محفوظ کر دیا جائے اور ہر عقلمند جانتا ہے کہ جنگ کے دوران جو غلطیاں ہوتی ہیں فتح کے بعد ان کے خراب نتائج سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور ماضی کی کوتاہیوں کی تلافی کر کے آئندہ ان غلطیوں کے دہرانے سے بچ جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں کو ایک گونہ تسلی دلانا مقصود تھا کہ آئندہ انہیں پہلے جیسی مشکلات و مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی طرف "ذنب" کی آڑ میں گناہ منسوب کرنا غلط ہے۔

پھر غفر کے معنی ڈھانپنا کے ہیں یعنی جو قصور ہو چکے ہیں - ان کے نتائج سے بچانا یا آئندہ ہونے والوں سے محفوظ رکھنا - اور گذشتہ اور آئندہ قصوروں سے بچانے کا مطلب یہی ہے کہ گذشتہ غلطیوں کا اعادہ نہ ہو اور ترقی کا راستہ کھل جائے - چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد دو ہی سال میں آنحضرتؐ تمام عرب پر غالب آگئے - ہر طرف اسلام پھیل گیا - ملک میں امن قائم ہو گیا اور ترقی کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی اور ملک بھر میں ہر قسم کی خرابیوں کے راستے بند ہو گئے -

پھر یہ بھی یاد رہے کہ آں حضرتؐ ایک قوم کے رہنما اور حکمران تھے - اس لئے آپ کی قوم کی کوتاہیاں اور کامیابیاں آپ کی ذات سے منسوب ہوتی تھیں - چنانچہ جب کوئی فوج جنگ جیتتی ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ فلاں جرنیل نے جنگ جیتی اور شکست دی اور اس ضمن میں خرابیاں بھی اسی کے سر تھوپ دی جاتی ہیں - "ہم نے آپ کو فتح دی" کا اشارہ محض آپ کی ذات کی طرف نہیں بلکہ تمام مسلمان قوم کو فتح ہوئی اسی طرح فتح سے قبل مقابلے میں جو کوتاہیاں ہوئیں اس میں اشارہ تمام قوم کی طرف ہے - ہاں آپ کی وساطت سے انہیں یہ بتایا گیا ہے - اس لئے آپ کی ذات سے قصور منسوب کرنا بھی درست نہیں - ان حالات میں آں حضرتؐ کو گناہ گار کہنا جہالت کا ثبوت دینا ہے -

جہاں تک آں حضرت صلعم کی زندگی اور اخلاق عالیہ کا تعلق ہے آپ کی طرف گناہ منسوب کرنا حق کا خون کرنا ہے - آپ واحد انسان ہیں جس نے اپنی چالیس سالہ پاک و بلند زندگی کو اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا اور مخالفوں کو بھی آپ کے دعوے کے سامنے سر جھکانا پڑا ہے

یہی وجہ ہے جو لوگ آپ کے نہایت قریب تھے وہ آپ پر فوراً ایمان لے آئے
جب کہ مسیحؑ نے مایوس ہو کر اپنوں میں رسوائی اور بدنامی کا شکوہ کیا۔
آں حضرتؐ کے متعلق لکھا ہے انک علی صراطٍ مستقیم۔ آپ سیدھی راہ
پر ہیں۔ آپ کے متعلق بتایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی آیات سناتے ہیں۔ لوگوں کو
گناہوں سے پاک کرتے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔ آپ کے متعلق
یہ بھی آیا ہے انک لعلی خلقٍ عظیم۔ آپ بلند ترین اخلاق پر قائم ہیں۔
اور دنیا کو بتایا کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے اگر
تم خدا کی رضا کے آرزومند ہو اور آپ کی اطاعت کو خدا کا محبوب بننے
کا ذریعہ بتایا ہے۔ یہی آپ کی ذات ہے کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

البتہ اگر [illegible] تو ہمیں انبیائے سابق اور
[illegible] کی زندگی [illegible] مثال ملتی ہے۔ بائیبل کی رو سے
(نعوذ باللہ) نوح نے شراب پی اور ننگے ہو گئے (کتاب پیدائش ۱۰: ۲۰-۲۴)
ابراہیم نبی نے جان بچانے کے لئے اپنی بیوی کو بہن بتایا۔ (پیدائش ۱۲: ۱۳)
حضرت یعقوبؑ کے ایک فرزند نے سوتیلی ماں سے مباشرت کی (پیدائش
۳۵: ۲۲) اور دوسرے فرزند یہودا نے اپنی بہو تمر سے صحبت کی۔
(پیدائش باب ۳۸) اس ملاپ سے لڑکا پیدا ہوا جس کی نسل سے
داؤد، سلیمان اور مسیح پیدا ہوئے۔ خود داؤد نبی نے اوریاہ کی بیوی کو
برہنہ دیکھ کر بلا بھیجا اور اس سے زنا کیا۔ (۲ سموئیل ۱۱: ۲-۵)۔

حضرت لوطؑ کی بیٹیوں نے باپ کو شراب پلائی اور ان سے صحبت کی تاکہ ان کے باپ کی نسل چلتی رہے (پیدائش ۱۹ : ۳۱ - ۳۸)۔ اس قسم کی باتیں بعض دوسرے اکابرین کے خلاف بھی درج ہیں۔ خود مسیحؑ کے متعلق بعض ناخوشگوار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ تو روایت عام ہے کہ مسیح مرتھا اور مریم فاحشہ عورتوں سے محبت رکھتا تھا (یوحنا ۱۱ : ۵) نے ایک فاحشہ عورت کے گھر میں دعوت اڑائی۔ اس عورت نے آپ کے سر میں انتہائی قیمتی خوشبو ڈالی اور اپنے نرم و ملائم بالوں سے آپ کے پاؤں کو صاف کیا۔ شاگردوں نے اسے بہت بُرا بنایا حتیٰ کہ اس کے بعد شاگردوں کا رویہ بدل گیا۔ دو تین دن بعد ان میں سے ایک نے آپ کو قید کرا دیا اور دوسرے مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ گئے۔ اس واقعہ سے چند دن قبل شاگردوں نے مسیح کو ایک ویران کوئیں کے پاس ایک غیر اسرائیلی عورت سے تنہائی میں باتیں کرتے دیکھا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ علاوہ ازیں جناب مسیح کھاؤ، پیو اور شرابی اور گنہگاروں کے یار" مشہور تھے حتیٰ کہ آپ نے مصلوب ہونے سے چند دن قبل شاگردوں کو بتایا کہ اب میں دنیا میں مے نہیں پیونگا بلکہ اپنے باپ ہی کے پاس جا کر پیوں گا"۔ یہی نہیں آپ نے دو مواقع پر پانی کو شراب میں تبدیل کیا اور سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کی۔

پادری صاحب! آپ نے کفارے کا مسئلہ تراش کر نہ صرف بندوں پر بدی کے دروازے چوپٹ کھول دیئے بلکہ تمام انبیاء کو بھی گنہگار ٹھہرایا اور پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی اتہام تراشی کی حالانکہ حضور اکرمؐ نے مسیح اور مریم کی عصمت

تمام انبیاء کی صداقت، نیکی اور پارسائی پر شہادت دی۔ انسان کے ہر فرزند کو معصوم اور پاک فطرت ٹھہرایا جسے پادری بعد میں گمراہ و بد چلن بنا دیتے ہیں اور ان کی متواتر دجالی تعلیم سے آج دنیا کا ہر شخص متاثر ہو کر ہوا و ہوس کا بندہ بن رہا ہے اگر آپ ان خوفناک حالت سے باہر نکلنا چاہتے ہیں تو حضور اکرمؐ کے دامن میں پناہ لے کر توہین انبیاء کا وطیرہ چھوڑیئے اور سب بزرگوں کا احترام کیجیے۔

## وجدک ضالا کا صحیح مفہوم

بندر کے ہاتھ میں اگر استرا دیا جائے تو وہ اپنے آپ کو لہولہان کر لیتا ہے لیکن ایک دانا انسان اس سے مفید کام لیتا ہے اسی طرح جب کسی جاہل کے ہاتھ میں قلم آجائے تو وہ شرر افشانی اور لوگوں کو گمراہ کرنے لگ جاتا ہے اور اسی میں کامیابی سمجھتا ہے۔

عربی زبان میں لفظ "ضال" مختلف کیفیتوں کے اظہار کیلئے استعمال ہوتا ہے مثلاً ضل الشیئ کے معنی ہیں خفی و غاب۔ کہ چیز چھپی اور غائب ہو گئی ضل الماء فی اللبن۔ پانی دودھ میں غائب ہو گئی اس کا مطلب کسی شے کی تلاش، محبت اور تڑپ میں اس قدر منہمک ہونا کہ کسی اور شے کی سدھ بدھ نہ رہے اس کا اپنا وجود درمیان میں نہ رہے۔ اور یہ انہماک اچھے کام میں بھی ہو سکتا ہے اور بُرے کام میں بھی۔ بعض اوقات ایک شخص ایک نیک کام میں منہمک ہو جاتا ہے، تو دیوانگی کی حد تک اس کا پیچھا کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مصلحین اسی انہماک کا شکار تھے اسی طرح بعض لوگ دنیا کی ہوس میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ ان کی یہ رغبت جرم اور گناہ کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔ سورہ یوسف

میں دونوں قسم کے شغف کی مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت یعقوبؑ نبی تھے آپ کے فرزند حضرت یوسف میں آپ کو خاص روحانیت محسوس ہوئی تو طبعاً آپ کی ان سے محبت شدت اختیار کر گئی۔ اس پر بڑے فرزندوں نے آپس میں کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ابا جان کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم مضبوط جماعت ہیں۔ انا ابانا لفی ضلال مبین۔ "ہمارے ابا جان محبت میں حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں" یقیناً فرزندانِ یعقوب کا لفظ 'ضلال' سے یہ مفہوم نہ تھا کہ حضرت یعقوب جو نبی ہیں اور حضرت ابراہیم اور اسحٰقؑ کے دین پر ہیں۔ خدا اور مذہب کو چھوڑ کر بے دین ہو گئے ہیں۔ اسی قدر مراد تھی کہ حضرت یوسف کی محبت نے آپ کا پورا غلبہ پا لیا ہے۔ دوسری جگہ اولاد کے لفظ ملاحظہ کیجئے جب قافلہ یعقوبؑ کے ہاں پہنچا تو آپ نے فرمایا انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون "میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو" اس پر اولاد نے کہا تاللہ انک لفی ضلالک القدیم "خدا کی قسم آپ تو محبت کی پرانی شدت کا شکار ہیں" یہاں بھی 'ضلال' کے معنی گمراہی اور خدا سے دور ہونا نہیں کیونکہ گھر والوں کی نظر میں آپ کی نیکی اور بزرگی مسلم تھی۔ محبت کی یہ شدت بدی کے ہم معنی نہ تھی۔ اس کے برعکس عزیز مصر کی بیوی اپنی سفلی خواہشات کے زیر اثر یوسفؑ کی رغبت اور طلب میں دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس بات کو زنانِ مصر نے محسوس کیا اور کہا قد شغفہا حبا۔ انا لنرٰہا فی ضلٰلٍ مبین۔ "کہ عزیز مصر کی بیوی کے دل میں اپنے غلام کی محبت گھر کر گئی ہے اور ہم تو اسے محبت میں غرق دیکھتی ہیں۔ پس 'ضلال' کے معنی کسی بات کی لگن میں اس قدر

محو ہونا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بھلا دے۔ اس میں فنا ہو جائے۔ اگر یہ لگن اچھی بات کی ہو تو قابل تعریف ہے اور اگر بری بات کی ہے تو خرابی اور فساد کا موجب ہے۔ قرآن حکیم کی سورہ فاتحہ میں یہود کو مغضوب اور مسیحیوں کو ضال کہا گیا ہے تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہودی جناب مسیح کی دشمنی میں خدا کے غضب کا نشانہ بنے اور عیسائیوں نے شدت محبت و احترام سے آپ کو خدا بنایا اور اس طرح ضال قرار پائے چونکہ اس شغف اور محویت کا نتیجہ شرک کی صورت میں نکلا اور مسیحیوں نے مسیحؑ کے بت بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ اس لئے یہ ضال ہونا گناہ بن گیا۔ اگر وہ آپ کی محبت میں اندھے نہ ہوتے اور آپ کی حقیقی تعلیمات پر عمل کرتے تو یہی شغف عبادت بن جاتا۔

اب قرآن کے الفاظ کو دیکھئے "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" یعنی تجھے [illegible] لگن، انہماک اور محویت میں دیکھا تو ہم نے رہنمائی کی۔ ان الفاظ سے عیاں ہے کہ آں حضرت قبل از نبوت کسی بات کی لگن اور محویت [illegible] رکھتے تھے۔ وہ لگن کس بات کی تھی؟ گو آپ کی قبل از نبوت زندگی [illegible] و پاکیزگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ تاہم آپ نے نبوت سے کچھ عرصہ پہلے تنہائی اختیار کر لی۔ کبھی کبھی روز غار حرا میں تشریف لے جاتے اور [illegible] فکر اور محویت کے عالم میں وقت گزارتے یہ لگن یقیناً [illegible] بت پرستی، مجلس و اخلاقی برائیوں اور ظلم و جور کے متعلق [illegible] ایسا راستہ بتا جس کو اختیار کر کے دنیا میں امن، اتحاد اور [illegible] ہو۔ اسی لگن اور محویت کے نتیجے میں آپ کو قرآن پاک کی صورت میں [illegible] رہنمائی ملی اور اسی ہدایت پر عمل کر کے آپ نے دنیا میں صالح انقلاب

پیدا کیا اور اس طرح وَجَدَکَ ضَالاً فَھَدیٰ ایک عظیم حقیقت کا حامل
ثابت ہوا۔ ان تصریحات پر غور کیجئے کیا ان الفاظ سے آنحضرت کی عظمت
اور عظیم تڑپ کا اظہار ہوتا ہے یا گنہگاری اور گمراہی کا۔ یہ بدقسمتی کی بات
ہے کہ پادری صاحب نے عناد میں اندھے ہو کر قرآن اور عربی زبان کے مزاج
کو نہیں سمجھا۔ یا آپ میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں

مہ نور می فشاند و سگ عو عو می کند

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب
ورنہ ہے قبلہ تیرا رخ کافر و دیندار کا

خدا کرے پادری صاحب کی آنکھوں سے تعصب کی پٹی اترے اور آپ
کو آنحضرت صلعم کے پر نور چہرہ کے حقیقی خدوخال نظر آجائیں اور آپ انبیاء
کے متعلق بدگمانی کو ترک کر کے ان حیا سوز تعلیمات سے توبہ کریں جو بائیبل میں
خدا کے نیک بندوں سے منسوب کی گئی ہیں اور یہ سعادت حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی سے ممکن ہے۔

**سوال نمبر ۱۲** تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے کہ محمد صاحب
نے تریسٹھ یا چونسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور
اگر مردوں کی طرح دفن کئے گئے اور خاک میں مل گئے لیکن مسیح دو ہزار
سال کے عرصے سے آسمان پر زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اور از روئے
مسلمات اسلام پھر بنی آدم کی ہدایت اور رہبری کے لئے نازل ہوگا
قرآن کہتا ہے دما یستوی الاحیاء ولا الاموات (سورہ فاطر۔
رکوع ۳) یعنی زندہ اور مردے برابر نہیں ہیں۔ پس مسیح محمد صاحب سے
افضل ہیں۔

**جواب** پادری صاحب کے اس سوال کا جواب گذشتہ سطور میں

آچکا ہے۔ یہاں ہم اختصار کے طور پر چند باتوں کا اعادہ کر دیتے ہیں۔
اول تو قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہے اور پھر بنی آدم کی ہدایت اور رہبری کیلئے نازل ہوگا۔ اگر ہے تو قرآن حکیم کی وہ آیت پیش کریں جس میں مسیح کے کسی آسمان پر ہونے کا ذکر ہے یا یہ لکھا ہے کہ آپ دنیا کی ہدایت کیلئے دوبارہ آئیں گے اور کب آویں گے۔ اور اگر قرآن کو چھوڑ کر روایات کا سہارا لینا ہے تو وہ بھی پادری صاحب کے خلاف ہیں۔ روایات میں تو یہ لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نبوت کے منصب سے ہٹا دیئے جاویں گے۔ اور آنحضرت کے اُمتی ہو کر آئیں گے۔ اور حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور آپ کی کوشش سے تمام یہودی اور مسیحی امت محمدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ عمر بھر مسیحیوں کی مرغوب غذا خنزیر کو قتل کرتے رہیں گے اور صلیبوں کو توڑ مسیحی مذہب کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں گے اور گرجا گھروں کو مساجد میں تبدیل کریں گے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حج کریں گے اور دیگر اسلامی فرائض ادا کریں گے اور آپ کی غلامی پر فخر کرتے ہوتے آپ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ دنیا بھر میں اسلام کا غلبہ ہوگا اور پھر قیامت آجائے گی۔ اگر پادری صاحب کا مسلمات اسلام پر ایمان ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد، مسیح کا انتظار نہ کیجئے بلکہ جس دین کے غلبے کے لئے مسیح آئیں گے اس میں شامل ہو کر پہلے ہی سے اس کے غلبے کی کوشش کر دیجئے اور اگر آپ کی کوشش سے اسلام غالب آگیا تو پھر جناب مسیح کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔
ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ بے مقصد طویل زندگی چنداں فضیلت

کا موجب نہیں۔ مختصر مگر کامیاب زندگی اس سے کہیں افضل ہوتی ہے "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے"۔ اس مقولے کو دنیا دہراتی ہے۔ ویسے تو حضرت ادریسؑ، حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ مسیح سے زیادہ عمر رکھتے ہیں اور آخر الذکر دو کی زندگیاں تو خدمتِ خلق کے لئے وقف ہیں پھر دنیا میں لاکھوں ایسے درخت ہیں جو ہزارہا سال سے زندہ ہیں۔ پتھر، پہاڑ۔ اجرام سماوی۔ ندی نالے لاکھوں سالوں سے زندہ و تابندہ مصروفِ عمل ہیں۔ مسیح کی لمبی زندگی کو ان سے کیا نسبت ہے؟ آپ کا مسیحؑ کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عمر کے لحاظ سے مقابلہ کرنا عبث ہے۔ اصل مقابلہ کارناموں کے لحاظ سے ہوتا ہے اور دنیا میں ماں نے آج تک ایسا فرزند نہیں جنا، جو اپنے مقصد کی عظمت، استقامت اور عظیم کامیابی کے لحاظ سے فرزند آمنہ سے آنکھ ملا سکے۔ بقول انجیل مسیح نے تین سال چوری چھپے تبلیغ کے بعد مایوسی کے عالم میں جان دی اور دنیا سے ناکام گئے اور جاتے ہوئے کہہ گئے "مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا (یوحنا ۱۶: ۱۲-۱۳)۔ لیکن آنحضرت صلعم کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا" آپ کو یہ بتایا گیا انا فتحنا لکم فتحا مبینا ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی۔ الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

پادری صاحب کو زندگی کا علم ہی نہیں۔ آپ کا وعظ سننے والوں میں ہزاروں مسیحی ہیں جنہیں آپ کہتے رہتے ہیں "تم مردہ ہو، بے روح ہو، سنگدل ہو، اندھے ہو، بے حس ہو حالانکہ وہ آپ کے سامنے بیٹھے آپ کی باتیں سُن رہے ہوتے ہیں۔ مذہبی تعلیمات میں زندگی جسم کے ساتھ چلنے پھرنے کا نام نہیں یہ تو کتّوں اور بلّوں کو بھی حاصل ہے۔ زندگی انسان کے کارناموں سے عبارت ہے۔ تاریخ میں ایسے انسان گذرے ہیں جنہوں نے صدیوں پہلے کوئی کارنامہ سرانجام دیا۔ ان کے کارنامے اور تعلیمات آج بھی ہمیں زندگی بخشتی ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے ذکر سے ولولہ پیدا ہوتا۔ یہ لوگ ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہیں اور وہ ان متحرک لاشوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو آپ کے اردگرد چلتی پھرتی نظر آتی ہیں اور آپ کی نظر میں زندہ ہونے کے باوجود مُردوں سے بدتر ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ جاوید ہیں۔ کروڑوں مسلمان جب آپ کا مبارک نام سنتے یا لیتے ہیں تو ان کی گردنیں فرط احترام سے جھک جاتی اور لب پر درود و سلام جاری ہو جاتا ہے۔ آپ کا نام دن میں پانچ بار خدا کے نام کے ساتھ روئے زمین پر اذانوں میں بلند کیا جاتا ہے۔ آپ کا قرآن واحد کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ دنیا کے لاکھوں انسان ہر سال آپ کے فرمان کی تعمیل میں حج کے دوران آپ کے آستانے پر حاضری دیتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں آپ کے حکم کے ماتحت کروڑوں انسان روزے رکھتے اور کثرت سے عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان پر کوئی شخص جبر کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیا یہ آنحضرت کی زندگی کا ثبوت نہیں؟ آپ مسیح کی بے جان زندگی پر فخر کرتے ہیں جو گذشتہ دو ہزار سال

سے معطل ہے جس کی آمد کی امید نے مسیحیوں کو بے عمل بنا رکھا ہے اور جن کی آمد پولوس کے جعلی مسیحی دین کی موت ہے۔

جائیے پہلے زندگی کے معنے سیکھئے۔ خود انجیل کے گذشتہ حوالجات میں دیکھ جائیے۔ دنیا میں حیات ابدی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جن کے روحانی انوار سے۔ لاکھوں انسان اب بھی حیات ابدی حاصل کر رہے ہیں اللھم صل علی سیدنا محمد و بارک وسلم علیہ۔

**سوال نمبر ۱۴** پھر یہ امر بھی مسلمات اسلام سے ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے سب سے بڑا فتنہ برپا کرنے والا اور کفر وبے دینی پھیلانے والا دجال ظاہر ہوگا اور نیست و نابود کرنے اور بگڑی ہوئی امت محمد کو راہ راست پر لانے اور دین حق قائم کرنے کے لئے مسیح آسمان سے نازل ہوگا اور تمام اہل کتاب اس پر ایمان لائیں گے۔ جیسا کہ قرآن میں مرقوم ہے ان من اہل کتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ (سورہ نساء رکوع ۲۲) یعنی اہل کتاب میں سے ہر ایک اس پر ایمان لائیگا۔

پس اگر محمد صاحب آخر الزمان اور خاتم النبیین تھے تو آخری فتنہ کو فرو کرنے کے اہم امر کے لئے ان کو قبر سے اٹھا کر بھیجنا کیوں نہ مقرر ہوا۔ آخر کار تمام بے دینی اور خرابی دور کرکے دین حق قائم کرنا کیوں موعود کا حصہ ٹھہرا۔ اس بزرگی اور شرف کو کیوں اسی سے منسوب کیا کہ آخر کار قرب قیامت کے موقع پر وہی سب کا ہادی ہو۔ اور سب لوگ اس پر ایمان لائیں۔ پس جب کہ اوّل بھی مسیح اور آخر بھی مسیح ہی مومنین کا ہادی و پیشوا ٹھہرا اور محمد صاحب بیچ میں تھوڑے سے عرصے کے لئے آکر چلے گئے اور پھر خاک سے سر نہ اٹھا سکے۔ تو ایسا کون شخص ہوگا، جو

دیدہ ودانستہ اپنی آنکھ بند کر لے اور حق سے عداوت نہ رکھے تو مسیح کو محمد صاحب سے ہزارہا درجہ افضل و برتر تسلیم نہ کرے۔

**جواب** پادری صاحب کے استدلال اور علم کی گاڑی اب اپنے اصول کی پٹڑی سے اتر چکی ہے اور انہوں نے قرآن کو چھوڑ کر "مسلمات اسلام" کا سہارا لے کر مسیح کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ قیامت سے پہلے ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ دجال ظاہر ہوگا اور اس کو مٹانے کے لئے جناب مسیح تشریف لائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب مسیحؑ کو رسوا کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ "مسلمات اسلام" سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کیلئے حضرت امام مہدی آئیں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف حاصل کرنے کے لئے ایک عام مسلمان کی طرح حضرت مسیح بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ اس لئے آپ پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ صرف اپنی پہلی کوتاہی اور ناکامی کی تلافی کرنے آئیں گے کیونکہ یہودیوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا اور جب آنحضرت صلعم کے جانثار ساتھیوں کا علم ہوا تو خدا سے دعا کی ہوگی کہ مجھے محمد صلعم کی امت سے بنا مسلمان مجاہدوں کو میرے ساتھ کرتا کہ میں پادریوں کے دجالی فتنے کو ختم کروں۔ خنزیروں کو قتل کر دوں اور پادریوں کی صلیبیں توڑ کر انہیں حضرت محمد صلعم کی غلامی میں داخل کروں۔ گرجوں کو مساجد میں تبدیل کروں اور بقیہ زندگی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اسلامی حکموں کو ادا کر قرآن و سنت کے مطابق بسر کروں۔

پادری صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن کی رُو سے تمام اہل کتاب مسیح پر ایمان لائیں گے۔ قرآن نے تو لکھا ہے القینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ۔ "ہم نے مسیحیوں اور یہودیوں کے درمیان قیامت تک بغض اور عداوت پیدا کر رکھی ہے جہاں ایمان لانے کا ذکر ہے۔ اس کا مفہوم اسی قدر ہے کہ مسیحی اور یہودی دونوں مسیحؑ کی لعنتی موت پر ایمان لاتے رہیں گے۔ چنانچہ یہودی صلیبی موت کی وجہ سے مسیح کو جھوٹا نبی سمجھتے ہیں اور ان کے منکر ہیں۔ مسیحی کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر لعنتی موت مر کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئے۔ اب اگر وہ اس لعنتی موت کا انکار کریں تو کفارہ کا مسئلہ ختم ہوتا ہے اور کفارے کے خاتمے سے خود مسیحیت کی عمارت۔ پوپ اور اسقف آف کنٹربری۔ کے محلات زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔ پس ہر عیسائی مرنے سے پہلے مسیح کو لعنتی مان کر دُنیا سے اُٹھتا ہے۔ اور مرنے کے قریب پادری مرنے والے سے اس سے ملتا جلتا اقرار لیتا ہے۔

یہ سب کچھ مسیحؑ کی دل جُوئی کے لئے ہے ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کسی مسیح کی آمد کا محتاج ہرگز نہیں بلکہ یہ دین تو متواتر ترقی کر رہا ہے اس لئے مسیح کی آمد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دیکھا نہیں گذشتہ بیس سال میں تمام اسلامی ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑ چکی ہے۔ دنیا بھر میں اسلام کے تبلیغی مراکز کھلتے جا رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے ہزاروں لوگ اسلام کی آغوش میں پناہ لے چکے ہیں۔ اب وہاں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ مساجد بن رہی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہو رہی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ مسلمان کسی آسمانی

مسیح کے حاجت مند نہیں ہیں البتہ خود مسیح اب جلدی آنے کے خواہش مند ہوں گے تاکہ ان کے آنے سے پہلے ہی مسیحی اور یہودی اسلام قبول نہ کر لیں اور آپ خدمتِ اسلام کی سعادت سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خادموں کے ہوتے ہوئے اب خود تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ضرورت تو مسیح کو تھی، جو اپنا دین نامکمل چھوڑ کر بلا اطلاع آسمان پر چلے گئے اور شاگردوں کو پریشانی اور گمراہی میں چھوڑ گئے۔ حضرت نبی کریم کا دین مکمل ہے۔ امت نے قرآن کو سینوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ ارکانِ اسلام کی پابندی ہو رہی ہے۔ دین کے علماء آپ کی تعلیمات کو پھیلاتے رہتے ہیں۔ اہل اللہ آپ کے انوار سے فیضیاب ہو کر مردہ دلوں کو زندگی بخشتے رہتے ہیں، اور آپ کے روحانی تصرفات سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

ان حالات میں مسیح کی عظمت کے گن گانا بے شرمی کی انتہا ہے۔

کہاں خدا کا عظیم ترین پیغمبر، خاتم النبیین، رحمۃ العالمین، فخر الانبیاء، صاحب معراج، حامل خلق عظیم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کہاں مسیح ناصری جو ناکام ہو کر دنیا سے چلا گیا اور آج بھی اپنی صفائی اور صداقت کے لئے سرکار عرب و عجم کی نظر کرم کا محتاج ہے

**سوال نمبر ۱۴** | محمد صاحب از روئے قرآن محض رسول اور گنہ گار انسان ثابت ہوتے ہیں لیکن مسیح بالکل بے گناہ اور فنفخنا فیھا من روحنا کے مطابق الٰہی ذات رکھتا ہے۔ پس مسیح کو جو بے گناہ اور صاحب الوہیت بھی ہے افضل اور برتر کیوں نہ مانا جائے۔

**جواب** | پادری صاحب کے اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ...

"بے حیا باش و ہر چہ خواہی گو" جب انسان شرم و حیا کی پٹی آنکھوں سے اتار پھینکے تو پھر اس سے شرافت کی توقع عبث ہے۔ از روئے قرآن آنحضرت صلعم اگر محض رسول ثابت ہوتے ہیں تو یہ جائے فخر ہے کیوں کہ انسان کا اس کائنات میں بلند ترین مقام منصب رسالت پر فائز ہوتا ہے۔ اگرچہ انسان خدا نہیں تاہم خدا اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس پر فرشتے اترتے ہیں اسے دُنیا کی رہنمائی کا خدائی منصب سونپا جاتا ہے اسے عظیم الشان نشان دیئے جاتے ہیں۔ وہ نصرت الٰہی سے دشمنوں پر غالب آتا ہے اور اپنے نام لیواؤں کی زندگیوں میں روحانی انقلاب لاتا ہے۔ اسے خدائی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے دنیا کے لئے نمونہ بنایا جاتا ہے کیوں کہ جب تک وہ خود تمام کمزوریوں سے پاک اور خدا کی تعلیمات پر چلنے والا نہ ہو وہ دوسروں کو خدائی تعلیمات پر عمل کی دعوت کیسے دے سکتا ہے اور پادری صاحب یہ تو تسلیم کریں گے کہ دنیا میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو شرافت اور نیکی کے مجسمے ہیں لیکن جناب پادری انبیاء کو یہ رتبہ دینے کو تیار نہیں تو انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کون سا مقام ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلعم اسی منصب کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھے اور آج بھی عرصہ حیات انسانی میں آفتاب کی طرح درخشاں ہیں۔

آخر مسیح میں ایک رسول کے علاوہ کون سی خصوصیت تھی اور وہ بھی قرآن کی رُو سے، ورنہ انجیلی روایات ان کی مخالف ہیں۔

پادری صاحب نے دیکھا کہ انجیل کی روشنی میں مسیح کی زندگی ایک "کھاؤ، پیو شرابی اور گنہ گاروں کے یار" کی ہے جیسے لوگوں کا نقصان

اور شریعت کی خلاف ورزی کرنے اور غیر شریفانہ اقوال و افعال میں لذت حاصل ہوتی تھی۔ فاحشہ عورتوں سے میل جول اور ان کی دعوت سے خوش ہوتے تھے۔ اس ندامت سے بچنے کے لئے پادری صاحب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاوجہ گنہگار ٹھہرایا ہے۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین والمفترین۔

مسیح کی الوہیت کی بھی ایک ہی کہی۔ انجیل کی رُو سے مریم پیدائشی گنہگار تھی۔ یہودیوں کے قول کے مطابق حوا کی اس گنہگار بیٹی کے ہاں مسیح کی پیدائش ہوتی ہے تو الوہیت کہاں سے آ گئی۔

اگر کہا جائے کہ خدا نے مریم میں نفخ روح کیا تھا تو قرآن کی رُو سے ہر شخص نفخ روح سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت آدم کے متعلق لکھا ہے ونفخت فیہ من روحی (الحجر) ہم نے آدم میں اپنی رُوح پھونکی۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ مسیح میں ہم نے اپنی روح پھونکی بلکہ صرف مریم میں روح پھونکنے کا ذکر ہے اور مسیح خدا کی روح سے محروم ہے۔ پھر ہر انسان کے متعلق ہے ثم جعل نسلہٗ من سلٰلۃ من ماء مھین۔ ثم سوّاہ ونفخ فیہ من روحہٖ (السجدہ) ہم نے آدم کی نسل کو ہلکے پانی سے بنایا پھر اسے مکمل کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس طرح ہر بشر میں خدا کی روح ہے اور اس طرح تمام انسان اور خود آدم و حوا مسیح سے بزرگ تر ہوئے اور الوہیت کے حصے دار۔ جب کہ مسیح اس [illegible] اور انسانوں سے گر کر حیوانوں کی سطح پر آ گئے۔ یہ ہیں مسیح ابن مریم جنہیں انسانوں سے نکال خدائی کے تخت پر بٹھایا گیا ہے۔ سُبحان اللہ [illegible]

## آخری گزارش

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم انبیاء کے درمیان امتیاز نہیں کرتے اور گزشتہ انبیاء کا نہ صرف احترام کرتے ہیں، بلکہ اُن کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں البتہ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (ہم نے بعض رسولوں کو دوسروں پر فضیلت دی) کے مطابق اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ منصب کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے مقصد عمل اور کامیابیوں کی رُو سے بعض انبیاء کو دوسرے انبیاء پر برتری حاصل تھی۔ اور اس پہلو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ممتاز مقام رکھتے ہیں چنانچہ آپ نے دنیا میں اخوت، اتحاد اور امن کے لئے بتایا کہ:۔

۱۔ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جو تمام نسلِ انسانی کا خالق اور ربوبیت کرنے والا ہے۔

۲۔ تمام نسلِ انسانی آدم کی اولاد ہے سب انسان خدا کی نظر میں یکساں ہیں اور نسل، رنگ، دولت کی بنا پر انسانی امتیازات غلط ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اقوامِ عالم کی اصلاح و رہنمائی کیلئے رسول (علیہم السلام) بھیجے جو اپنے ساتھ ہدایت کے لئے آسمانی کتابیں لائے۔ یہ انبیاء گناہوں سے پاک تھے اور لوگوں کو پاک بناتے آئے تھے۔

۴۔ تمام اقوام کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان ضروری ہے اور اگرچہ زمانے کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کے صحیح حالات اوجھل ہو گئے اور

ان کی تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا پھر بھی ان کی اصولی طور پر تصدیق اور موجودہ صورت میں احترام ضروری ہے۔

۵۔ عورت بدی کا سرچشمہ نہیں بلکہ انبیاء، صلحا اور اکابر عالم کی تخلیق کا وسیلہ ہے۔ جنت سے نکلنے کا موجب مرد تھا (فنسی آدم۔ آدم بھول گیا) عورت نہ تھی۔ اس لئے اس کے ذریعے وجود میں آنے والا بچہ نیک فطرت ہی پیدا ہوتا ہے، گنہ گار نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرے میں مساوی حقوق حاصل ہیں۔ اس پر روحانی ترقی کے دروازے کھلے ہیں۔ اور اس کے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت دی گئی ہے اور اسلام سے بڑھ کر کسی دین نے عورت کو یہ مقام نہیں بخشا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مذمت کرتے ہوئے حضرت مسیح اور حضرت مریم (علیہما السلام) کی پاک دامنی اور صداقت پر گواہی دی اور دنیا کے ساٹھ کروڑ انسانوں کو ان کی تعظیم کی تعلیم دی۔

۷۔ انسان جو عمل کرتا ہے اس کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور قیامت کو بھی ملے گا اور عمل کے لحاظ میں انسانوں کے مابین کوئی امتیاز نہیں، کسی بڑے شخص سے رشتہ داری، قرب، محض ایمان، زبان سے اقرار بدی کے باوجود سفارش رشوت، خدا کی نظروں میں بڑا نہیں بنا سکتی عظمت کا موجب انسان کا تقویٰ، خدا خوفی، خدا کے احکام پر عمل ہے اور اسی کے مطابق قیامت میں جزا و سزا ملے گی۔

۸۔ پہلے مختلف قوموں اور زمانوں میں الگ الگ نبی آتے رہتے کہ ایک وقت ایسا آگیا کہ تمام نسل انسانی کو متحد کر دیا جائے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نسل انسانی کی طرف کامل حکیم بنا کر

بھیجا تاکہ نسلِ انسانی آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر خدائے واحد کے احکام پر چل کر دنیا کو اپنے لیے جنت میں تبدیل کر لے۔

۹۔ آپ نے ایک کامل انسان کی زندگی بسر کی اور زندگی کے ہر شعبے میں ایک عام شہری سے لے کر حکمران تک کے لیے کامل نمونہ چھوڑا جس کی اتباع میں انفرادی اور اجتماعی عظمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

۱۰۔ آپؐ کی بلند پایہ تعلیمات، اسوۂ حسنہ، عروج و زوالِ اقوام کے اسباب، انسان کی سیاسی، مجلسی، اجتماعی، انفرادی، روحانی، اخلاقی، مادی زندگی کے سلسلے میں جامع احکام قرآن حکیم کی صورت میں محفوظ اور واضح موجود ہیں۔ اور آپ کی ہمہ گیر سیرت کے مفصل اور مستند حالات کتب سیرت میں محفوظ پائے جاتے ہیں تاکہ دنیا اختلافات اور الجھنوں سے نجات حاصل کر کے نجاتِ دائمی حاصل کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، اور اب آپ کی اتباع ہی میں اتحاد، نجات کا ذریعہ ہے۔

آپ جتنا بھی غور کریں گے آپ کو دنیا کی نجات آنحضرت صلعم کی تعلیمات کے سوا کہیں دوسری جگہ نہیں ملے گی اس لئے میں اپنے مسیحی بھائیوں سے بالخصوص عرض کروں گا کہ آپ خود تکلیف کر کے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کا مطالعہ کریں۔ آخر مطالعے میں کیا نقصان ہے؟ ہو سکتا ہے کہ آپ کی غلط فہمیاں جاتی رہیں اور حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کی تعریف اور احترام کی تعلیم دینے والی اس واحد ذاتِ بابرکات میں آپ کو وہ روحِ حق مل جائے جس کے بھیجنے کا حضرت مسیحؑ وعدہ کر کے دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

(شروع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

# اسلام ایک نظر میں

**اسلام اور مسلم :-** جس مذہب کی تبلیغ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اس کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے عربی میں معنی امن، خلوص، فرمانبرداری اور تسلیم کے ہیں۔ اور مذہب کے لحاظ سے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے مسلم وہ ہے۔ جو کہ اس کی حاکمیت کو قبول کرے اور خود کو اس کی محبت پر سرشار کر کے اس کے سامنے مکمل طور پر سرنگوں ہو جائے۔

**پیغام دین کا تسلسل :-** اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے یہ اصل میں اسی مذہب کا خلاصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیا علیہم السلام پر بذریعہ وحی نازل کیا۔

"کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہم ان میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں" (۳: ۸۴) اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل طور پر آخری شکل میں نازل ہوا۔ اور آنحضرت پر اس کی تکمیل ہو گئی۔

**بنیادی عقائد :-** مسلمان اللہ تعالیٰ۔ اس کے تمام پیغمبروں اور اس کی تمام کتابوں اس کے فرشتوں وجود اس کی مخلوق و اعمال، قیامت کے دن انسان کو اپنے اعمال کے جواب دہ ہونے اور موت کے بعد زندہ اور حشر ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔

**توحید باری تعالیٰ :-** اسلام اللہ تعالیٰ کی توحید و حاکمیت پر ایمان رکھنے کا حکم دیتا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کائنات عالم کے با معنی ہونے سے خبردار ہو جاتا ہے اور کائنات میں اپنے مقام کا پتہ چلاتا ہے یہ انسان کو جملہ توہمات اور ڈر اور خوف سے رہائی دلاتا ہے۔ اس سے روحانی ترقی

کی قدرت اور موجودگی سے باخبر کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو جس پر فرض عائد کئے ہیں۔ ان سے
روشناس کرتا ہے ایمان کے ساتھ اعمال کا ہونا لازمی ہے۔ اور ان میں اس کا انعکاس ہونا چاہیئے
محض اسلام میں ایمان کافی نہیں۔ خدائے واحد پر ایمان یہ لازم قرار دیتا ہے کہ تمام نسل انسانی
کو ایک خاندان کے مانند سمجھا جائے۔ جو کہ خداوند قدوس کے فیض عام کے تحت قائم ہے جس کا
کہ وہ خالق کل اور رازق کل ہے اسلام اس تصور کو رد کرتا ہے۔ کہ کوئی خاص قوم انکی پسندیدہ
و مخصوص ہے بلکہ اسلام خدائے واحد پر ایمان کو اور نیک اعمال کو کلید جنت قرار دیتا ہے اور بغیر کسی
شفیع کے اللہ تعالےٰ کے ساتھ تمام کا براہ راست تعلق قائم کرتا ہے۔

انسان بطور مختار۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق انسان ہے جسے اعلیٰ قوتوں کا حامل بنا کر
اپنے ارادہ کا مختار بنا دیا گیا ہے۔ اپنے کردار کا وہ ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالےٰ نے صراط مستقیم دکھلا
دیا ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کو اس کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے آنحضرتؐ
کا متبع ہو کر ہی وہ بزرگی اور نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام وجود انسانی کی تطہیر کا سبق دیتا ہے
اور ہر انسان کو بلا کسی تمیز کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کالا ہو یا گورا، برابر کے حقوق عطا
کرتا ہے غریب ہو یا امیر، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، وزیر ہو، بادشاہ ہو یا عام انسان الغرض سب
کو شریعت حقہ کے تحت جس کی قرآن کریم میں توضیح کی گئی ہے۔ اور جس کا عملاً نمونہ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پیش کرتی ہے۔

قرآن کریم اور حدیث شریف۔ اللہ تعالیٰ کا آخری کلام جو کہ بذریعہ وحی محمد صلی اللہ
علیہ وسلم پر نازل ہوا قرآن ہے اور یہی تمام اسلامی قوانین اور ضوابط کی بنیاد ہے قرآن مجید
دین، اخلاق، تاریخ، انسانیت، عبادات، علم حکمت تخلیق کائنات، حقوق اللہ و حقوق العباد
ایسے بلند مسائل کی توضیح کرتا ہے۔

قرآن کے اہم مضامین وہ ہیں جن پر عدل و مساوات، اقتصادیات، سیاسیات، قانون
سازی، اصول فقہ اور بین الاقوامی تعلقات کے نظام مضبوط بنیادوں پر قائم کئے جا سکتے ہیں

قرآن کریم کو متبعین اسلام نے قلمبند کیا۔ اور زبانی یاد کر لیا۔ اب بھی قرآن اپنی اصل زبان میں جس میں یہ نازل ہوا۔ مکمل طور پر بلا کسی تحریف و تنقیص کے موجود ہے جس میں ایک حرف کی ترمیم نہیں ہوئی۔ اور نہ قیامت تک ہو گی اور یہ اقوام عالم کے لئے دعوت حق ہے کہ وہ اپنی معینہ کتب مقدس کا موازنہ کریں۔

احادیث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کا مجموعہ ہیں۔ جو کہ تعلیمات قرآن کی تشریح و توضیح کرتی ہے اور اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور ہر فعل ضبط تحریر میں لایا جا چکا ہے اسی طرح آپ کے ہزاروں اصحاب کبارؓ کی زندگی کے حالات لکھے جا چکے ہیں اس لئے کہ احادیث ان اصحاب کبار کے ذریعہ ہی پہنچی ہیں اور ان کی پاک زندگیاں بھی قابل تصور ہیں۔

**تصور عبادت**۔ اسلام رسم و رواج میں یقین نہیں رکھتا۔ بلکہ نیت اور عمل پر زور دیتا ہے اللہ تعالےٰ کی عبادت کا مطلب اس کو پہچاننا۔ اسی کو محبت کرنا اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے قانون پر عمل کرنا۔ نیکی کی تلقین کرنا۔ بدی سے منع کرنا۔ عدل و انصاف کرنا اور خدمت بنی نوع انسان کرنا ہے قرآن اس تصور کو ذیل کے شاندار الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔ اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالےٰ پر یقین رکھے۔ اور آخرت پر، فرشتوں پر، سب کتب سماوی پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، بے خرچ مسافروں، سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے پر مال خرچ کرتا ہو۔ نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور (ان عقائد اور اعمال کے ساتھ یہ عقائد بھی رکھتے ہوں) جب عہد کر لیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں۔ تنگ دستی، بیماری اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں" (۲ : ۱۷۷)

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان۔ اسلام میں ہر وہ عمل جو اس نیت سے کیا جائے

کہ وہ مشیت ایزدی کو پورا کرتا ہے۔ عبادت ہے با ایں ہمہ خاص اعمال عبادت جن کو اصطلاح شریعت میں ارکان کہا جاتا ہے اور روحانیت کی اعلیٰ سطح پر مبنی ہیں۔ وُہ حسب ذیل ہیں

۱۔ ایمان (توحید) کلمہ شہادت جو کہ بنائے ایمان ہے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ "میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت اور بندگی کے قابل نہیں ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور پیغمبر ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان مسلمان کو اس امر پر مجبور کرتا ہے۔ کہ وہ زندگی کی ہر منزل میں آپؐ کی اعلیٰ ترین نمونہ کی زندگی کی متابعت کریں۔

۲۔ صلوٰۃ۔ ہر روز پانچ نمازیں ہر مسلمان پر فرض کی گئی ہیں۔ نماز اللہ تعالیٰ پر ایمان کو مضبوط اور تازہ کرتی ہے اعلیٰ اخلاق کو مجلیٰ کرتی ہے۔ قلب کو صاف کرتی ہے برائی کو روکتی ہے اور ناپاک ارادوں کو دباتی ہے۔

۳۔ صوم۔ رمضان کے پورے مہینے میں روزہ رکھنا فرض ہے روزہ کے دوران صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے، ہر قسم کی بدی اور بُرائی سے اجتناب کرنا لازمی ہوتا ہے اور یہ انسان کو محبت، اخلاص، زہد سکھلاتا ہے اور صحیح ضمیر کی آواز، قوت ارادی پیدا کرتا ہے اور انسان کو حرص و آز سے باز رکھتا ہے۔

۴۔ زکوٰۃ۔ یہ چوتھا فرض ہے ہر مسلمان جو صاحب نصاب ہو اپنی سالانہ بچت میں سے ۲½ فیصد نکال کر غربا اور محتاجوں میں تقسیم کرے اور زمین کی پیداوار میں سے اگر بارانی ہو تو دس فیصد غربا کو دے اور اگر اس کی نہر وغیرہ کے ذریعہ آبپاشی ہو تو ۵ فیصد نادار لوگوں میں تقسیم کرے۔ تجارت کے مال پر بھی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

۵۔ حج۔ پانچواں رکن حج ہے عمر بھر میں ایک بار کعبۃ اللہ کا حج کرنا صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض ہے

اسلامی معاشرت۔ اسلام بنی نوع انسان کے تمام اشغال زندگی میں رہنمائی کے لئے تفصیلی طور پر نشاندہی کرتا ہے وہ مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے جو کہ سماجی اقتصادی، سیاسی، اخلاقی، روحانی اقدار

کو تسلیم کرتا ہے۔ رہبانیت اور سنیاس کی سخت ممانعت کرتا ہے۔ انسان کو قرآن کریم میں
کئی مقامات پر مقصد حیات، اسکی اپنی ذمہ داریوں، حقوق العباد اور حقوق اللہ کے متعلق نہ صرف
ہدایت کی گئی ہے بلکہ بار بار یاد دہانی کروائی گئی ہے انسان کو با مقصد زندگی بسر کرنے کے
بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا گیا ہے پھر اسے زندگی کی واضح پلان سے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے
تاکہ بلند و بالا خدائی اصولوں پر عمل کر سکے۔

رحمۃ اللعالمین (تمام انسانوں کے لئے رحمت)، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان
کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی آدم کو آپس کی محبت، عالمگیر
اخوت، مواخات اور مساوات کا پیغام دیا۔ اور ایک ایسا سماجی نظام قائم کر دیا۔ جو نسل، رنگ
اور ملک کی تمیز سے بالا ہے۔ تمام مسلمان مذہب کے لحاظ سے آپس میں برابر اور بھائی بھائی ہیں
آپ نے ایک ایسے معاشرتی نظام کی بنیاد ڈالی جو کہ تمام کے لئے اقتصادی انصاف۔ گردش زر اور عوام
کے لئے روزگار کے مواقع مہیا کرنے کا ضامن ہے اسلام دولت کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے لئے
غیر منفعت بخش اور سماج دشمن ذرائع کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور سود خوری، ذخیرہ اندوزی، رشوت ستانی
اور خلاف قانون درآمد برآمد کی ممانعت کرتا ہے اسلام نے ذات پات سے بالا معاشرہ کی قانون
وراثت، زکوٰۃ اور باہمی محبت کے ذریعہ تخلیق کی ہے۔

اسلام اور اس کی کشش۔ اسلام اپنے بالکل سادہ اور براہ راست طریقہ اظہار حق کی وجہ سے
ہر مخلص اور صاحب عقل شخص کیلئے عظیم الشان کشش رکھتا ہے زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ
ایک مطمئن اور بہتر زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اللہ جل جلالہٗ کی جو قادر مطلق و خالق اور رحیم
و رزاق ہے ہر طرح سے حمد و ثنا کرتا ہے۔

## دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

| | | | |
|---|---|---|---|
| افریقہ | ۱۷،۴۴،۲۸۵۱ | یورپ | [illegible] |
| ایشیا ماسوائے پاکستان | ۳۷،۰۰،۰۰،۰۰۰ | شمالی اور جنوبی امریکہ | [illegible] |
| پاکستان | ۱۱،۵۰،۰۰،۰۰۰ | میزان | [illegible] |

اسلام کے متعلق غلط اور گمراہ کن نظریات۔ یہ نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ مغرب میں اسلام کی تعلیمات کا غلط طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس کے حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہے ذیل میں ان غلط نظریات کے متعلق صحیح نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے۔

(ا) عورت کی حیثیت۔ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو معاشرہ میں اعلیٰ مرتبہ عطا کیا۔ خدا اور اسکے قانون کی نظر میں عورت مرد کے برابر ہے وہ اخلاقی، مادی اور روحانی طور پر اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچ سکتی ہے۔ اسلام میں عورت اپنے والدین، خاوند، بھائی اور بیٹے سے ورثہ میں جائداد حاصل کرتی ہے۔ تذکیر و تانیث کی وجہ سے کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ مرد اور عورت کی اپنے اپنے حلقہ میں نہایت ہی اہم صلاحیتیں اور ذمہ داریاں ہیں اگرچہ وہ ذمہ داریاں یکساں نہیں

(ب) شادی اور طلاق۔ مرد اور عورت کے درمیان شادی ایک اہم اور متبرک رشتہ کا اظہار ہے جو بہتر اور خالص زندگی کی طرف ایک قدم ہے۔ اسلام مرد اور عورت ہر دو کو طلاق و خلع کا علیٰ الترتیب حق دیتا ہے پایں ہمہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ اور اسے آخری اقدام قرار دیا گیا ہے اسلام محدود طور پر چند شرائط کے ماتحت ایک سے زائد چار تک شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔

(ج) جہاد۔ اسلام بنیادی طور پر امن، محبت اور رواداری کا مذہب ہے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں ہے اس نے اسلام کو پھیلانے کے لئے کبھی اور کہیں بھی اپنے پیروؤں کو جبر کے استعمال کی اجازت نہیں دی۔ اسلام جنگ کی اجازت دفاع کے لئے اور حق کی تائید کے لئے دیتا ہے لیکن یہ عیاں ہے کہ مذہب میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ یہ نہایت ہی بیہودہ اور ناقابل ثبوت الزام تراشی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے بلکہ اسلام میں تو دوسرے مذاہب کے معابد کی حفاظت کی تاکید آئی ہے۔

تمت بالخیر (تعلیمی پریس لاہور میں چھپی)